الله جل جلالہ
خطباتِ فقیر
جلد تیس
سچے رب کے سچے وعدے
قرآن مجید ایک انقلابی کتاب
مسجد نبوی ﷺ کا پُرکیف منظر
وُسعتِ رزق
نفسِ مطمئنہ
پردہ اور دُعا
ازدواجی زندگی میں محبت کا کردار
شریعت پر استقامت
پیرطریقت، رہبرِ شریعت، مفکرِ اسلام
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ
besturdubooks.wordpress.com
مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد
+92-041-2618003
خطباتِ فقیر
30
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾

سچے رب کے سچے وعدے

از افادات

حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

سچے رب کے سچے وعدے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

خشیت کا مطلب:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا

''بے شک علما ہی اللہ رب العزت سے ڈرتے ہیں''

خشیت کا مطلب ہوتا ہے کسی کی ناراضگی کے ڈر سے اس کی حکم عدولی سے بچنا، نافرمانی سے بچنا اور اس کو راضی کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا۔

خوف اور خشیت میں فرق:

خوف اور خشیت میں فرق ہوتا ہے خوف کہتے ہیں کسی کا ڈر ہونا، خشیت میں اگر کوئی روٹھ جائے تو یہ سزا بھی کافی ہوتی ہے۔ تو علما کے دل میں صرف خوف نہیں ہوتا کہ ہمیں سزا ملے گی بلکہ یہ اللہ رب العزت کی ناراضگی سے ڈر جاتے ہیں اور گناہوں سے بچ جاتے ہیں۔

علم کا مطلب:

علم کا مطلب معلومات نہیں ہے کہ آپ جس آدمی سے بات کریں وہ آپ کو جواب میں بہت ساری باتیں سنا دے۔ اس کو عالم نہیں کہتے کہ آپ کوئی حدیث پڑھیں تو وہ اس حدیث سے متعلق بہت ساری باتیں سنا دے۔ تو بہت ساری باتوں کو جاننے کا نام علم نہیں۔ علم کہتے ہیں کہ انسان پر اللہ رب العزت کی نافرمانی کے نقصانات واضح ہو جائیں۔ اس بات کو تھوڑا کھولنے کی ضرورت ہے۔

علم کہتے ہیں کہ انسان پر گناہوں کے نقصانات ظاہر ہو جائیں، کھل جائیں جب آدمی کو بیماری کے نقصانات کا پتہ نہیں ہوگا تو وہ احتیاط بھی نہیں کر سکے گا۔ اور جب بیماری کے نقصانات کا اندازہ ہوگا تو وہ نقصان دینے والی چیز سے بچے گا۔ معلوم ہوا کہ علم کہتے ہیں گناہوں کے نقصانات کا بندے پر واضح ہو جانا۔ اس کے دل میں یقین ہو جانا کہ گناہوں کے کیا نقصانات ہیں۔ علم والا وہ شخص ہے جو گناہوں سے بچنے والا بن جائے۔

اب جس کی نظر میں نیکی اور گناہ میں فرق نہیں اس کی زبان تو عالم ہوتی ہے مگر دل جاہل ہوتا ہے۔ ایسے منافقت کے علم سے اللہ محفوظ فرمائے۔ جس میں انسان کی زبان عالم ہو اور دل جاہل ہو۔ اور جب دل جاہل ہوتا ہے تو جہالت والے کام کرواتا ہے۔ پھر انسان کو بہت ساری معلومات ہوتی ہیں مگر وہ ان معلومات کے ذریعے تاویلیں گھڑتا ہے۔

اس لیے اگر عام آدمی گناہ کرے تو وہ احساس ندامت کے ساتھ گناہ کرے گا۔لیکن جب کوئی معلومات رکھنے والا بندہ گناہ کرے گا تو وہ تاویل کے ذریعے اس گناہ کو جائز بنانے کی کوشش کرے گا۔نفس کو ملمع کاری کے ذریعے بتائے گا کہ یہ مجبوری تھی۔ یہ کام عذر کی وجہ سے کیا۔ یہ نفس شیطان ایسا خبیث ہے کہ گناہوں کو مزین کر کے پیش کرتا ہے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ﴾

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا﴾

''شیطان جس کا ساتھی بن گیا وہ بہت برا ساتھی ہے''

تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے پاس معلومات تو بہت زیادہ ہوتی ہیں لیکن علم نہیں ہوتا۔اس لیے اللہ تعالیٰ سے علم نافع مانگنے کی دعائیں سکھائی گئیں۔نفع دینے والا علم، علم نافع انسان کو حاصل ہو جائے۔علم نافع وہ ہے جو انسان کے اندر خشیت پیدا کرے۔ خشیت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے ڈر سے گناہوں سے بچنے کو کہتے ہیں۔

تقویٰ کسے کہتے ہیں؟

تقویٰ کچھ کرنے کا نام نہیں۔تقویٰ نہ کرنے کو کہتے ہیں۔حرام سے بچنا اور متشبہات سے بچنے کا نام تقویٰ ہے۔اس لیے گناہوں سے بچنا عبادت زیادہ کرنے کی نسبت اولیٰ ہے۔ایک آدمی لمبی عبادتیں کرتا ہے اوپر سے تسبیح، اندر سے میاں کبی، تو یہ تسبیح کام نہیں آئے گی۔اوپر سے لا الہ اندر سے کالی بلا۔

اس سے بہتر ہے کہ یہ فرائض وسنن پر عمل کرے مگر اپنے آپ کو گناہوں سے محفوظ رکھے۔ یعنی گناہوں سے بچنا لمبی عبادتوں کے کرنے سے زیادہ افضل اور زیادہ ضروری ہے۔ سالک کی اس پر کڑی نظر ہو، اس کو چاہیے کہ وہ اللہ رب العزت کی نافرمانی سے ڈرے۔ وہ اس بات سے گھبرائے کہ اگر مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوگیا، کوئی غلطی ہوگئی تو اللہ رب العزت مجھ سے ناراض ہونگے۔ وہ اللہ رب العزت کی ناراضگی کو سامنے رکھ کر گناہوں سے بچتا رہے اور گناہوں کے بارے میں سوچے ہی نہیں۔

ایک مثال سے وضاحت:

اس کی مثال یوں سمجھیے! کہ ایک وقت کا بادشاہ ہے اس نے اپنی ملکہ کو بہت خوش رکھا ہوا ہے، وہ ملکہ اس بادشاہ کے محل میں آرام، آسائش وسکون کی زندگی گزار رہی ہے۔ اب اس ملکہ کو کوئی چوڑا چمار بھنگی جو صورت کا بھی اچھا نہ ہو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرے تو وہ عورت کبھی سوچ بھی نہیں سکتی کہ اسکے ذہن میں یہ ہوگا کہ میں اپنے ایسے خاوند کو ناراض کروں جس نے میری زندگی کو جنت بنایا ہوا ہے۔ اس کے ذہن میں ایک لحہ کے لیے بھی یہ خیال نہیں آسکتا کہ میں اس بدصورت بھنگی کی طرف بھی توجہ کروں۔ بالکل اسی طرح ایک طرف اللہ رب العزت کی ذات ہے اور دوسری طرف شیطان۔ یہ بدصورت بھنگی شیطان ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تم اس کی عبادت کو چھوڑ و اور میری عبادت کرنے والے بن جاؤ۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کے راستے کو چھوڑ کر اس گندے شیطان کے پیچھے چلتے ہیں تو اللہ رب العزت ایسے بندوں پر حیران ہوتے ہیں پھر اس کو یاددہانی کرواتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِىٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِىْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾

اللہ تعالیٰ اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

''او میرے بندو! کیا ہم نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی بندگی نہیں کرو گے ایک ہماری عبادت کرو گے جو سیدھا راستہ ہے''

تو اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں اور ہم نبی علیہ السلام کے راستے کو چھوڑ کر رسم ورواج کے پیچھے چلتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے حسرت بھرے الفاظ:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ بڑے عجیب انداز میں فرماتے ہیں:

﴿یَاحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ﴾

اے افسوس! بندوں پر

یہ الفاظ پڑھ کر ذرا غور کریں تو دل کو کچھ ہوتا ہے کہ رب کریم کو یہ فرمانا پڑا۔ ہم کتنے ناقدرے ہیں کہ پروردگار عالم کو فرمانا پڑا:

﴿یَاحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا یَاْتِیْهِمْ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾

''کوئی رسول ایسے نہیں آئے کہ انہوں نے اس کا مذاق نہ اڑایا ہو''

تو پہلے زمانے میں انبیا علیہم السلام کا مذاق اڑایا جاتا تھا اور آج کے دور میں نبی علیہ السلام کی سنتوں کا مذاق اڑایا جارہا ہے۔ نسل ایک ہی ہے، رشتہ انہی سے جڑتا ہے جنہوں نے انبیا کا مذاق اڑایا۔

آج کے دور میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ دوسروں کے چہروں پر ریش سجا دیکھ کر نام رکھتے ہیں کسی کو کچھ کہا، کسی کو کچھ، یہ بھی انبیاء کا مذاق کرنے والوں میں شامل ہیں۔

انسان کے پاس معلومات تو بڑی ہوتی ہیں لیکن جب انسان اپنی اصلاح کی کوشش نہیں کرتا تو معلومات سے اسے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ قرآن پاک کی کوئی بھی آیت پڑھ لو

آپ کو ترجمہ کر کے بتا دیں گے لیکن جب اپنی باری آئے گی تو خود گناہ کا مرتکب ہوگا۔ حرام کے مرتکب ہوئے ہوں گے۔

ایک گرانقدر ملفوظ:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر علما تقویٰ پر عمل کریں گے تو عوام الناس فتویٰ پر عمل کریں گے۔ اگر علما فتویٰ پر عمل کرنا شروع کر دیں گے تو عوام الناس مکروہات پر عمل کریں گے اور اگر علما مکروہات پر بھی عمل شروع کر دیں تو عوام الناس کبائر کے مرتکب ہوں گے۔ اگر علما کبائر کے مرتکب ہوں گے تو عوام الناس کفر کا ارتکاب کیا کریں گے۔

ہم کہاں کھڑے ہیں؟

اب ہم دیکھیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہماری نگاہ ہمارے قابو میں نہ رہتی ہو۔ اگر ہمارا سینہ قرآن مجید اور حدیث مبارک سے بھرا ہے اور ہم کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں تو پھر نتیجہ کیا نکلے گا؟ اس لیے کہنے والے نے ٹھیک بات کہی:

> ”اگر دریا کا پانی صاف ہوتا ہے تو نہروں میں بھی صاف پانی جاتا ہے جب دریا کا پانی گدلا ہوتا ہے تو نہروں کا پانی بھی گدلا ہو جایا کرتا ہے اسی طرح عوام الناس نہروں کی مانند ہیں اور علما دریاؤں کی مانند ہیں“

تو علما کے لیے شریعت کا التزام، کتاب وسنت کو پکڑ لینا انتہائی ضروری اور اہم ہے۔

ایک بچی کی نصیحت:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ایک دفعہ کسی چھوٹی سی بچی نے نصیحت کی جس کو میں بھلا نہیں سکتا۔ کسی نے پوچھا: حضرت وہ کون سی نصیحت ہے؟ فرماتے

تھے کہ بارش ہوئی تھی۔راستے میں پھسلن تھی۔ میں نماز کے لیے گھر سے مسجد کی طرف جارہا تھا۔سامنے سے وہ بچی بھی چلتی ہوئی آرہی تھی جب وہ میرے قریب آئی تو میں نے اس سے کہا بچی ذرا سنبھلنا کہیں پھسل نہ جانا،تو اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور کہنے لگی حضرت! میں پھسل گئی تو میں ہی گروں گی نقصان صرف مجھے ہوگا۔آپ خیال رکھنا اگر آپ پھسل گئے تو قوم کا کیا بنے گا۔اس لیے علما کے اندر استقامت کا ہونا انتہائی ضروری ہے کیونکہ جب عالم پھسلتا ہے تو پھر اس کا نقصان،عوام الناس کو ہوتا ہے۔

علما کا فرض منصبی:

ہر دور اور ہر زمانے میں اس امت کی ہچکولے کھاتی کشتی کو علما نے سہارا دیا۔ یہ جانشین رسول ہوتے ہیں۔ یہ وارث نبی ہیں۔ان کا فرض منصبی یہ ہے کہ خود بھی شریعت کے احکامات پر عمل کریں اور عوام کو بھی اس پر عمل کے لیے برانگیختہ کرتے رہیں۔اگر یہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی وہی مدد فرمائیں گے جو اللہ تعالیٰ انبیاء علیہ السلام کے دور میں اتارا کرتے تھے۔ اس لیے علما کو اللہ رب العزت کے اوپر حالات سے بالاتر ہو کر نظر رکھنی چاہیے۔اس لیے کہتے ہیں کہ مفتی کو حالات سے بالاتر ہو کر فتوی دینا چاہیے۔ کتاب وسنت کو دیکھنا چاہیے کہ کتاب کیا کہتی ہے۔

کفار کے وعدوں کی شرعی حیثیت:

ایک ہیں اللہ تعالیٰ کے وعدے اور ایک ہیں بندوں کے وعدے۔ یہ بندوں کے وعدے اللہ کے وعدوں کے سامنے کیا حقیقت رکھتے ہیں۔مگر فرق یہ ہے کہ بندوں کے وعدے نظر آتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ تم ہماری بات مانو گے تو ہم تمہیں اتنے پیسے دیں گے، مدد کریں گے اقتصادی رکاوٹیں ختم ہوجائیں گی، ملک میں ترقی آجائے گی۔تمہارا ملک ترقی یافتہ ملکوں میں شمار ہوجائے گا۔ہم قرضے جاری کردیں گے۔تمہارے لیے ہر

چیز کے دروازے کھول دیں گے۔ یہ انسانوں کے وعدے ہیں۔ انسانوں میں بھی کون؟ کافر۔ جن کے سینے ایمان سے خالی، جن پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ شریعت نے کافر پر بھروسہ کرنے کی اجازت ہی نہیں دی۔

حتیٰ کہ فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی بندے نے جانور ذبح کیا اور کافر نے اس کو دیکھا اور مسلمان کو آ کر اس نے خوشخبری دی کہ فلاں جانور مسلمان نے ذبح کیا ہے تم جا کر اس کا گوشت لے لو۔ تو کوئی مسلمان اس وقت تک گوشت خرید نہیں سکتا جب تک کہ کوئی مسلمان گواہی دینے والا نہ ہو۔ شریعت نے اعتماد ہی نہیں کیا۔ جس کا اللہ پہ یقین نہیں اس کی گواہیاں کہاں قبول؟ جب تک کوئی مسلمان گواہی دینے والا نہ بنے کہ ہاں اس کو مسلمان نے ذبح کیا تب تک اس کا گوشت نہیں خرید سکتے۔ حالانکہ وہ بات سچی کر رہا ہوگا۔ شریعت کہتی ہے کہ تم ان کے وعدوں پر بھروسہ مت کرو اور ہم کافروں کے وعدوں کو دیکھتے ہوئے کتاب و سنت ایک طرف رکھ دیں۔ یہ کہاں کی بات ہے؟ رہی بات یہ کہ لوگ کہیں گے تمہارے اوپر مصیبتیں ٹوٹ پڑیں گی۔ غیظ و غضب کے نشان بن جاؤ گے۔ تو یہ آج کی بات نہیں ہم شروع سے ہی سنتے آئے ہیں۔ یہ آج کوئی نئی بات نہیں۔ سنو یہ ہماری تاریخ ہے۔ ہمارے آبا انہی مصیبتوں میں پلے بڑھے۔ یہ قربانیاں دیتے ہوئے ہم جوان ہوئے اور قربانیاں دیتے ہوئے اس دنیا سے جائیں گے۔ تو یہ قربانیاں نئی چیز نہیں ہیں۔ جب دین پر کوئی بات آتی ہے تو علما کو قربانی کا بکرا بننا پڑتا ہے۔ ٹھیک ہے ہم اس کے لیے حاضر ہیں۔

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

یہ کون سی بات ہے؟ اگر اللہ رب العزت کی طرف سے امتحان آتے ہیں تو ہم پھانسی

کے پھندے کو چوم کر اس پر لٹکنے کے لیے تیار ہیں۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ہم تو جان بھی دیں گے اور احسان بھی پروردگار کا مانیں گے کہ پروردگار آپ نے قبول فرما لیا۔

سچے رب کے سچے وعدے:

حالات کو سامنے رکھ کر شریعت کی باتوں کو نظر انداز کر دینا علما کا کام نہیں ہے۔ عوام الناس کی سوچ تو ہو سکتی ہے، دنیاداروں کی سوچ تو ہو سکتی ہے۔ مگر علما کی سوچ کیا ہوتی ہے؟ وہ اللہ رب العزت کے وعدوں کو سامنے رکھتے ہیں اور اللہ رب العزت کے وعدوں پر عمل کرتے ہیں۔ آنکھ غلط دیکھ سکتی ہے۔ مگر اللہ رب العزت کے وعدے کبھی جھوٹے نہیں ہوتے۔

اس لیے اب ایسا وقت آ رہا ہے کہ لوگ کہتے ہیں ہم ان کے لیے زمین کو تنگ کر دیں گے۔ یہ بندوں کی باتیں ہیں۔ پروردگار فرماتے ہیں میری زمین وسیع ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

اب ہم نے دیکھنا یہ ہے کہ کس کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔ یقیناً اللہ رب العزت کا وعدہ سچا ہوگا اس لیے قطعاً گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے دلوں میں ایمان ہے اور ایمان والے بندوں کو کبھی گھبراہٹ نہیں ہوا کرتی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ آیت اس دن اتری جس دن قرآن مجید کا اختتام ہوا۔ فرمایا:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾

”آج کے دن تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا“

یہ آخری آیتیں اتر رہی ہیں اسی دن یہ آیتیں بھی اتریں

﴿اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ﴾

''آج کے دن کافر آپ کے دین سے ناامید ہو چکے ہیں''

ان کو پتہ چل چکا ہے کہ مسلمان لوہے کے چنے ہیں ان کو چبانا آسان کام نہیں ہے۔

﴿اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ﴾

''تم نے ان سے نہیں ڈرنا ہے۔ واخشونی' تم نے صرف میری ذات سے ڈرنا ہے۔ تو مومن اللہ سے ڈرتا ہے اور جس کے دل میں دنیا کی محبت بھری ہوتی ہے وہ بندوں سے ڈرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یَخْشَوْنَ النَّاسَ کَخَشْیَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَةً﴾

وہ بندوں سے ایسے ڈرتا ہے جیسے اللہ سے ڈرتا ہے یا اس سے بھی زیادہ''

یعنی اللہ سے زیادہ بندوں سے ڈرتا ہے۔

تو دیکھو بھئی! کافر کبھی ایمان والوں کے دوست ہوئے؟ وہ تو دوستی کے رنگ میں دشمنی کرتے ہیں۔ دوست بن کے دشمنی کر رہے ہوتے ہیں۔ مومن کا دوست اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہمیں تو اپنے حقیقی دوست کو سامنے رکھنا ہے۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ رب العزت کو سامنے رکھیں امیدیں لگائیں تو اللہ رب العزت کی ذات سے وہ امیدوں کو پورا کرنے والا ہے۔ آج کے دور میں ہم کافروں سے امیدیں لگا لیتے ہیں۔ علامہ اقبال نے سچ بات کہی تھی انہوں نے کہا:

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے ناامیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

اسی کا نام تو کفر ہے کہ انسان اللہ رب العزت سے نظر ہٹائے اور بندوں پہ

نظر جمائے۔ یہ ہمارے حالات کو بہتر کر دیں گے۔

امام عالم بنیں، نہ کہ غلام عالم:

ایک اصول یاد رکھیے۔ مومن کے لیے زندگی گزارنے کے دو راستے ہیں اگر یہ اللہ کی مان کر چلے گا تو یہ امام عالم بنے گا۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا تو پھر یہ غلام عالم بنے گا۔ اب ہم سوچیں کہ ہم کیا بننا چاہتے ہیں؟ اگر اللہ تعالیٰ کی مان لیں گے تو امام عالم بنیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو ناراض کریں گے تو غلام عالم۔ اس لیے علما کے لیے آزمائشوں کا وقت آنے والا ہے۔ ہمارے بڑوں پر بھی یہ ابتلائیں آئیں، آنے والے وقت میں ہم پر بھی آسکتی ہیں۔ اس لیے ہم اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کریں اس لیے کہ ہمارا مقصد اچھی زندگی گزارانا نہیں ہے۔ ہمارا اصل مقصد اچھی موت مرنا ہے۔

کافروں سے دوستی کا انجام:

ایک بات ذہن میں رکھیں۔ ہمارے اور ان کے ذہن میں فرق ہے، سوچ میں فرق ہے۔ ان کی سوچ ہے اچھی زندگی گزارو اور ہماری سوچ ہے اچھی موت مر جاؤ۔ ہمارا مطمع نظر یہ ہے کہ اچھی موت مرو گے تو اچھی زندگی کی ابتدا ہوگی۔ کافر اس طرح منہ میں لالی پاپ ڈالتے ہیں جیسے کسی بچے کے منہ میں لوگ لالی پاپ دے دیتے ہیں کہ تم اس کو چوستے رہو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور وہ سب کچھ وہ کر رہے ہوتے ہیں جو ہمارے مخالف ہوتا ہے۔ ظاہر میں دوستی کے وعدے کرتے ہیں اور اندرون خانہ ہمیں باندھ رہے ہوتے ہیں۔ پھر وہ اپنے ارادے ہمیں بتاتے بھی نہیں اور ساتھ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہم اپنی کاروائیاں خفیہ رکھیں گے۔

بھلے بھلے۔ دوستی ہو تو ایسی! کیسی مزیدار دوستی ہے؟ کہتے ہیں دوست بھی ہمارے بنو اور مدد بھی ہم کریں گے اور ہم کاروائی تمہیں بھی نہیں بتائیں گے۔

اللہ سے دوستی کا انعام:

ایک یہ دوستی ہے اور ایک اللہ رب العزت کی دوستی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ایمان والو! اگر تم میرے بن کر رہو گے تو کیا ہوگا؟

﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾

''اپنے رسولوں کی مدد ہمارے ذمہ ہے اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں اور جس دن گواہیاں لی جائیں گی (قیامت کے دن)''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ یہ تو لفظی ترجمہ ہوا اس کا مفہوم یوں بنتا ہے۔

انا لنصر رسلنا'' ہمارے اوپر فرض ہے مدد اپنے رسولوں کی' اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز فرض نہیں سمجھانے کے لیے یہ الفاظ استعمال کر رہا ہوں تا کہ معانی صحیح سمجھ میں آ جائیں۔

تو کہنے کا مفہوم یہ ہے کہ فرض ہے ہمارے اوپر مدد اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی۔

اب دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کیسے دوست ہیں کہ فرماتے ہیں یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ جیسے کوئی سینہ ٹھونک کر کہے کہ میاں میرا مرنا جینا تمہارے ساتھ ہے تو یہ ہوا اصلی دوست۔ یہ دوست کیسا ہوا کہ جو کہے میں تو آپ کا دوست ہوں، کاروائیاں بھی چھپا کے رکھوں گا اور تمہارے مخالفین کی مدد بھی کروں گا۔ ایسے دوستوں سے اللہ کی پناہ اللہ محفوظ فرمائے۔ تو یہ دوستی کے نام پہ دشمنی کر رہا ہے۔ یہ منافقت کا زمانہ ہے۔ کافر کے دل میں کس کے ساتھ منافقت بھری ہوتی ہے؟ ایمان والوں کے ساتھ۔ وہ ایمان والوں کا کبھی دوست نہیں ہوسکتا۔ ان کی نظر ہمارے ایمان پہ ہوتی ہے کہ ہم نے مسلمانوں کو اسلام سے محروم کرنا ہے۔

چنانچہ وہ اس کے لیے ہر ممکن کوششیں کر رہے ہوتے ہیں۔ ایسے وقت میں ہمیں چاہیے کہ ہم دین کے ساتھ منتھی ہو جائیں اس کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یٰیَحۡیٰی خُذِ الۡکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ﴾

''اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو''

کیا مطلب؟ ہاتھوں سے مضبوطی سے پکڑ لو۔نہیں بلکہ اس کے احکام پر سو فیصد عمل کر کے عملی جامہ پہنا کے اس کتاب کو مضبوطی سے تھام لو۔ جب یہ کتاب ہمارے سینے لگی ہوگی تو پھر ہم قدم اٹھائیں گے تو ہمیں اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائیں گے۔

کمزوروں کے ساتھ اللہ کی مدد:

پہلے دور میں بھی ایسا ہوا آپ نے دیکھا ہوگا۔ ذرا دور کی مثال سنئی ہو تو بنی اسرائیل کی مثال دیکھ لیجیے۔

بنی اسرائیل پر فرعون نے وہ ظلم ڈھائے کہ اللہ کی پناہ۔ معصوم بچوں کو قتل کر دیا جاتا اور کوئی اس پر بولنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ ایسا پیس کے رکھ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَنُرِیۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَنَجۡعَلَہُمۡ اَئِمَّۃً وَّنَجۡعَلَہُمُ الۡوٰرِثِیۡنَ﴾

ذرا انداز بیان دیکھیے! کیسا شاہانہ ہے۔ سبحان اللہ

''اور ہم نے ارادہ کیا کہ ہم ان پر احسان کریں جو زمین میں کمزور ہیں اور ہم ان کو زمین کا امام اور وارث بنا دیں گے''

اب یہ وہ لوگ تھے کہ ان کے پلے کچھ نہیں تھا چکی میں پس رہے تھے۔ اتنی طاقت

بھی نہیں تھی کہ معصوم بچوں کے قتل پر آواز اٹھا سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں ہم نے ارادہ کیا اور یونہی نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اب بھی ان لوگوں کی مدد کرنے کا ارادہ فرمایا ہے جن کو لوگ کمزور سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا پوری دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کمزوروں کو اٹھانے کا ارادہ فرماتے ہیں تو فرمادیتے ہیں:

﴿وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ﴾

چنانچہ کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے اس قوم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ ان کو فرعون کی طرف بھیجا۔ اب فرعون ان کو دیکھ کر کہنے لگا: تمہارے پاس کیا نشانیاں ہیں؟ انہوں نے معجزات دکھائے تو وہ کہنے لگا کہ یہ تو کوئی جادوگر لگتا ہے۔ بڑا جادوگر ہے، یہ تو ہم سے ہماری سلطنت چھیننے آیا ہے۔ کہنے لگا: جادوگروں سے تمہارا مقابلہ کراؤں گا۔ انہوں نے فرمایا بہت اچھا۔ اللہ تعالیٰ نے جادوگروں کو ایمان قبول کرنے کی توفیق عطا کر دی۔ جب اس نے دیکھا کہ جادوگران سے جا ملے تو کہنے لگا: یہ تو ان کی ملی بھگت نظر آتی ہے۔ پھر کہنے لگا: ہم ان جادوگروں کو سزا دیں گے۔ کون سی سزا؟ اتنی عبرتناک سزا کہ ایک طرف کا بازو کاٹیں گے اور دوسری طرف کی ٹانگ کاٹیں گے، تاکہ یہ اپنا توازن بھی برقرار نہ رکھ سکیں۔ وہ کہنے لگے:

﴿فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ﴾

جو تو کرسکتا ہے کرلے"

ہم نے تو اب ایمان کا مزا چکھ لیا ہے اب ہم ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہیں۔

آج بھی کافر ایمان والوں کو یہی کہتے ہیں کہ ہم یہ کر دیں گے وہ کر دیں گے۔تو وہ آگے سے یہی جواب دیتے ہیں:

﴿فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ﴾

جو تم کر سکتے ہو کر لو ہم نے ایمان کا مزا چکھ لیا ہے۔اب ہم پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔تم ہمارے جسم سے جان نکال سکتے ہو، ہمارے دلوں سے ایمان تو نہیں نکال سکتے۔اس لیے آج کے دور میں بھی ایمان والے ڈٹ جاتے ہیں۔جب وہ غصہ ٹھنڈا کر چکا تو اس نے سوچا اب کوئی اور سلسلہ اختیار کرنا چاہیے۔اب کیا ہوا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پریشان ہوئی اور ان سے کہنے لگی کہ حضرت

﴿اُوْذِیْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا﴾

''ہم آپ کے آنے سے پہلے بھی مصیبت واذیت میں مبتلا تھے اور آپ کے آنے کے بعد بھی وہی مصیبتیں ہیں''

ہم تو مصیبتوں میں پھنس گئے۔قال موسیٰ' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے کہا:

﴿اِسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾

''تم اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو اور اللہ اپنی زمین کا وارث بناتا ہے جس کو چاہتا ہے بندوں میں سے۔اور عاقبت تو متقی پرہیزگاروں کی اچھی ہوتی ہے''

یہ ہیں کامیابی کے اصول، غلبہ پانے کے اصول جو حضرت موسیٰ علیہ السلام بتا رہے ہیں۔کیا فرمایا؟ تم اللہ سے مدد مانگو۔یہ نہیں کہا کہ تم ہمسایہ ملک سے مدد مانگ لو بلکہ کائنات کے پروردگار کی طرف متوجہ کیا۔

تو کامیابی کے اصول یہ ہیں کہ ہم اللہ رب العزت سے مدد مانگیں اور اپنے اندر صبر و

ضبط پیدا کریں۔

علما کی دو ذمہ داریاں:

اس وقت علما کے دو کام ہیں۔ایک اللہ رب العزت سے مدد مانگنا۔نمازوں میں، قنوت نازلہ پڑھ کے مدد مانگیں، دعاؤں میں مدد مانگیں، رات کے وقت میں جب اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت متوجہ ہوتی ہے،قریب ہوتی ہے اس وقت میں بھی اللہ رب العزت سے مدد مانگیں، یہی کام صحابہ کرامؓ کیا کرتے تھے۔اس لیے کہا گیا۔

﴿ رُهْبَانًا بِاللَّيْلِ وَفُرْسَانًا بِالنَّهَارِ ﴾

دن کے مجاہد ہوتے تھے اور راتوں کے راہب ہوا کرتے تھے"

وہ دن میں کوششیں کرتے تھے اور رات کو اپنے رب سے مدد مانگا کرتے تھے۔آج علما کو بھی یہ کام کرنے چاہییں۔

دوسرا یہ کہ دن میں قرآن حدیث کو کھول کھول کر لوگوں پر بیان کریں۔اللہ کے وعدوں کو خوب کھول کھول کر بتلائیں تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ دنیا کی زندگی میں تکالیف اور آزمائشیں آتی ہیں لیکن جو انسان ان آزمائشوں میں اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل کرتا ہے کامیابی بالآخر اسی کی ہوا کرتی ہے۔

آج کے دور میں اگر کوئی آدمی رات کو اٹھ کر اپنی امت مسلمہ کے لیے دعائیں نہ مانگے تو وہ سوچے کہ نبی علیہ السلام کی وراثت کے پھر کیا معنی ہوئے؟

وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ میں شامل ہونے کی تمنا کدھر گئی۔اگر مصیبت میں پھنسی ہوئی قوم کے لیے،کلمہ گو لوگوں کے لیے ہم راتوں کو اٹھ کر دو آنسو بہانے کے قابل نہیں۔اللہ سے معافی مانگنے پہ قادر نہیں۔نبی علیہ السلام تو امت کے لیے راتوں کو اٹھ کر دعائیں مانگتے تھے۔

چلو ہم نے امن کے دنوں میں تو لمبی نیند کر لی۔لیکن اس وقت امت پر جب مشکل

بن گئی، خطرات کے بادل ہر طرف منڈلا رہے ہیں کوئی پتہ نہیں کس وقت ادھر ادھر سے حملہ ہو تو ایسے وقت میں علما کا فرض منصبی ہے کہ (ان کو چاہیے) یہ رات کے اندھیروں میں اٹھیں ۔ اپنے رب سے مدد مانگیں پروردگار ان کی مدد فرمائیں گے اور اس کے بدلے اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو کامیاب فرمائیں گے تو آج کے اس دور میں ہماری ذمہ داری اور بڑھ گئی کہ رات میں کچھ وقت ضرور جاگنے کی کوشش کریں۔ لہٰذا طلبا علما سے اس عاجز کی گزارش ہے کہ آج کی راتیں قیمتی ہیں ان راتوں میں رجوع الی اللہ کے لیے وقت ضرور نکال لیجیے۔ اذان فجر ہونے سے پہلے آدھا، پونا گھنٹہ جو وقت مل جائے اس میں اٹھ کر آپ اللہ رب العزت کے حضور دعائیں مانگیں۔ اللہ رب العزت کی رحمت جوش میں آئے گی کہ جب میرے بندوں کو کفر نے ہر طرف سے ڈرانا شروع کیا تو اب میرے بندے میری طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ مانگ تو مجھ ہی سے رہے ہیں۔ ہوتا اسی طرح ہے کہ جب بچے کو کوئی دھمکاتا ہے تو پھر وہ باپ کی طرف بھاگتا ہے کبھی ماں کے دامن میں پناہ لیتا ہے۔ آج ایمان والوں پہ مشکل وقت آ گیا، ہر طرف سے دھمکیاں مل رہی ہیں، نام ونشان مٹا دیں گے، ہم تمہاری لاشیں الٹا دیں گے۔ جب ہر طرف سے دھمکیاں مل رہی ہیں تو مومن کو بھی چاہیے کہ اللہ کی رحمت کی بارگاہ میں پناہ ڈھونڈے۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم خانہ خراب کو، تیرے عفو بندہ نواز میں

تو اللہ کے حضور ہمیں معافیاں مانگنی ہیں۔ اللہ سے مدد مانگنی ہے۔

یاد رکھنا! اگر اللہ رب العزت کی مدد ہمارے پلڑے میں آ گئی تو ہمارا پلڑا پوری کائنات سے وزنی اور بھاری ہو جائے گا۔ تو ہم اللہ رب العزت سے مدد مانگیں جب اس کی مدد ہمارے ساتھ ہو گی تو پھر انشاء اللہ کامیابی ہی کامیابی ہو گی۔ صحابہ کرامؓ کے ساتھ اللہ

کی مدد تھی۔اس لیے کہنے والے نے کہا:

بات کیا تھی کہ نہ وہ قیصر و کسریٰ سے ڈرے
چند وہ لوگ جو اونٹوں کے چرانے والے
جن کو کافور پہ ہوتا تھا نمک کا دھوکہ
بن گئے دنیا کی تقدیر بدلنے والے

ہمارے سینوں میں ایمان ہونا چاہیے اللہ تعالیٰ تو خالی ہاتھ لوگوں سے دنیا کی تقدیر بدل کے رکھ دیتے ہیں۔

فرعون پر مصیبتوں کے پہاڑ

ایسا وقت بھی آیا کہ فرعون کے اوپر مصیبتیں آنا شروع ہو گئیں۔

طوفان کا عذاب:

ایک مصیبت تو یہ آ گئی کہ اس کے اوپر طوفان آ گیا۔سب کھیتیاں تباہ ہو گئیں۔جب سب کچھ تباہ ہوا تو اس نے اپنے کمانڈر انچیف کو بلایا کہ بھئی! ہماری تو زراعت ختم ہو گئی۔ اب ہم کیا کریں؟ یہ آنے والے طوفان رکنے کا نام نہیں لیتے۔تو اس نے کہا: جناب اب اگر اس سے نجات پانی ہے تو اس درویش کو بلائیے اب آپ کی نہیں چلنی اسی درویش کی چلے گی۔اس کو بلا کے دعا کروائیے۔چنانچہ فرعون نے ان کو بلایا اور کہا ہم آپ سے مذاکرات کریں گے، ہم آپ کی بات مانیں گے لیکن یہ دعا کرو کہ حالات ٹھیک ہو جائیں۔ذرا حالات ٹھیک ہو جائیں پھر ہم مل بیٹھیں گے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمادی۔چنانچہ طوفانوں کا سلسلہ رک گیا۔مگر وہ پھر اسی ڈگر پہ چلتا رہا۔جیسے پہلے تھا۔

مکڑیوں کا عذاب:

اللہ رب العزت نے دوسری مصیبت بھیج دی۔ چنانچہ مکڑیوں کا عذاب آ گیا۔ اب پھر جب عذاب آیا تو اسے درویش یاد آیا۔ کہنے لگا: بلاؤ گدڑی پوش کو۔ اب چلے گی تو اسی کی چلے گی ہماری نہیں چل سکتی۔ چنانچہ بلا کے پھر دعا کروائیں۔ جب دعا کروائی تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حالات اچھے ہو گئے۔ پھر مکر کیا۔ کافروں کے مکر کا قرآن مجید سے ثبوت کر رہا ہوں تا کہ آپ کو پتہ چل جائے کہ کافروں کے وعدے کیسے ہوتے ہیں۔ فرعون بھی اپنے وقت میں دنیا کی سپر پاور تھا، کہتا تھا کہ میں بڑا اللہ ہوں۔ اپنے آپ کو رب سمجھتا تھا۔ دیکھو اب کیسے مکر کرتا ہے؟ قرآن بتا رہا ہے کہ فرعون نے مکر کیا۔

مینڈکوں کا عذاب:

اب ان کے اوپر مینڈکوں کا عذاب آ گیا۔ دروازے کھولیں تو آگے مینڈک، بستر پر لیٹنے لگیں تو اندر مینڈک، ہر چیز میں مینڈک۔ پھر بڑا پریشان ہوا۔ قوم نے کہا ہمیں اس مصیبت سے بچاؤ۔ اس نے کمانڈر انچیف سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا جناب! چلتی اب بھی اسی کی ہے اس کو بلائیے اور پھر دعا کروائیے۔ چنانچہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلوایا۔ منتیں سماجتیں کیں۔ ہم آزادی دیں گے، یہ کر دیں گے، وہ کر دیں گے، مطالبات مان لیں گے۔ اب حالات اچھے ہوئے پھر مکر گیا۔

خون کا عذاب:

اب اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک اور مصیبت نازل فرمائی ان پر خون کا عذاب آ گیا، کھانا کھاتے ہیں تو خون کا ذائقہ، سالن بنا کے رکھتے ہیں تو خون کا ذائقہ، پانی پیتے ہیں تو خون کا ذائقہ۔ خون ہر طرف سے نکلتا بھی ہے اور ذائقہ بھی محسوس ہوتا ہے۔ اور پریشان

ہوگئے۔ پھر بلا کر کہا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بڑی دفعہ دھوکہ کر چکے ہو۔ کب تک یہ جھوٹے وعدے کرتے رہو گے؟ کہنے لگا: ہاں! بے شک آپ اپنی قوم کو لے کر چلے جائیں ہم نے آپ کو اجازت دے دی۔

فرعون اور اس کے لشکر کا عبرتناک انجام:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر چل پڑے۔ جب قوم کو لے کر چلے تو پیچھے کمانڈر انچیف صاحب نے کہا: جناب! ہماری اتنی فوج، ہم وقت کی سپر پاور اور یہ اپنی قوم کو لے کے جا رہا ہے۔ ان کے ہاتھ میں تو کچھ تھا ہی نہیں۔ اَرَاذِلُنَا ''یہ ذلیل سے لوگ تھے'' ان کو آپ نے چھٹی دے دی۔ یہ کیا کیا؟ یہ اچھا تھا ہمارے گھر کے کام کرتے تھے۔ اس نے کہا اچھا سب مطالبہ کر رہے ہو تو ان کو جا کر پکڑ لیتے ہیں۔ اب فرعون اپنے لشکر کو لے کر چلا کہ ان کو ابھی گرفتار کر کے لاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کو لے کر دریا کے کنارے پہنچے اتنے میں پیچھے سے فرعون کا لشکر بھی پہنچا۔ ایسے وقت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی خوفزدہ ہوگئے ان کو اپنے آگے دریا کا پانی آتا تھا اور اپنے پیچھے انسانوں کا دریا نظر آتا تھا۔

﴿قَالَ اَصْحَابُ مُوْسٰی اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ﴾

''کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے ہم تو دھر لیے گئے''

پکڑے گئے، مارے گئے۔ اس وقت ایک یقین بھری آواز اٹھتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو کر کہتے ہیں۔ کَلَّا ہرگز نہیں۔ ہمارا رب ہمارے ساتھ ہے۔

﴿اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنَ﴾

''میرا رب میرے ساتھ ہے وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا''

تو دیکھو جب چاروں طرف سے امیدیں ٹوٹ جاتی ہیں اور بندہ محسوس کرتا ہے میں گھیرے میں آچکا ہوں، اب اس وقت اللہ کی مدد کا وقت شروع ہونے والا ہوتا ہے ایمان والوں کو اس وقت بھی یقین ہوتا ہے۔

چنانچہ انہوں نے فرمایا ہرگز نہیں۔ میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے تنہا نہیں چھوڑے گا وہ ضرور میری مدد فرمائے گا۔ چنانچہ اوپر سے وحی آئی۔

﴿اَنِ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ﴾

''آپ اس دریا پر اپنا عصا ماریئے''

عقل کہتی ہے اس پر عصا مارنے کا کیا فائدہ؟ مارنا ہے تو انتظار کرو جب فرعون تمہارے پاس پہنچے تو اس کے سر پر دے مارنا پھر شاید بچ جاؤ گے۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی پر مارا۔ اللہ تعالیٰ نے بارہ راستے بنا دیے۔ بنی اسرائیل کی قوم اس میں سے گزرنے لگی۔ جب فرعون وہاں آ کر پہنچا تو اس نے کہا راستے تو بنے ہوئے ہیں چلو آگے تک ان کا پیچھا کریں۔ ہم آخری دم تک ان کا پیچھا کریں گے۔ چنانچہ جب اس نے دریا میں پاؤں رکھے، ساری فوج دریا میں آئی تو اللہ تعالیٰ نے دیواروں کو پھر ملا دیا۔ سب کے سب غرق ہو گئے۔ اب اس کو بات یاد آ گئی کہنے لگا:

﴿اٰمَنْتُ بِرَبِّ مُوْسٰى وَ هَارُوْنَ﴾

''میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لایا''

فرشتے نے آ کر کہا الئن ''اب ایمان لاتے ہو اور اس سے پہلے تو تم من مانیاں کرتے پھرتے تھے''

تو ظاہر میں ایسے ہی نظر آتا ہے کہ مومن گھیرے میں آ رہے ہیں مگر حقیقت میں اللہ تعالیٰ جب کفر کو ختم کروانا چاہتا ہے، کفر کو ذلت کی موت مروانا چاہتا ہے تو ظاہر کے نقشے

ایسے بنا دیتے ہیں کہ کافر سمجھتا ہے میں انہیں ختم کر دوں گا مگر وہ اپنے ہاتھوں سے ہی اپنی تباہی کے اسباب مہیا کر رہا ہوتا ہے۔ اپنے ہاتھوں سے اپنی موت کا سامان کر رہا ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ کی مدد ایمان والوں کے ساتھ ہے۔ ہمیں قطعاً گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ظاہر کے نقشے جو بھی ہوں ہم اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر بھروسہ کریں گے اسی کی ذات پر یقین کریں گے۔ بالآخر اللہ رب العزت ہمیں کامیاب فرمائیں گے۔

روم پر مسلمانوں کا غلبہ:

ہمارے محبوب ﷺ نے ہمیں ایسی تعلیم دی کیوں نہیں دیکھتے؟ ذرا اور قریب کی مثال دے دیتا ہوں بنی اسرائیل کی مثال ذرا دور کی ہے۔ روم کے بادشاہ نے فارس کے بادشاہ پر حملہ کیا اور فارس کے بادشاہ نے روم پر غلبہ پالیا۔ رومیوں کو شکست ہوئی تو کافر بڑی خوشیاں منانے لگے۔ اس وقت نبی علیہ السلام پر پیغام اترا۔

﴿ الٓمّٓ ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِی اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ○ فِی بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾

دیکھو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا خوشخبری آتی ہے۔

اب ''رومی مغلوب ہو گئے لیکن عنقریب چند سالوں میں یہ غالب آئیں گے'' جب کافروں نے یہ بات سنی کفار، مشرکین مکہ کہنے لگے یہ تو دل کو تسلی دینے والی بات ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رومی دوبارہ غالب آ جائیں گے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یقین اتنا تھا وہ کہنے لگے تم کوئی شرط باندھنا چاہتے ہو تو میں اس کے لیے تیار ہوں۔ یہ بات سو فیصد سچی ہے۔

آج صدیقی ایمان کی ضرورت ہے۔ واقعی اس وقت نبی علیہ السلام کی بات کافروں

کو نظر آتی تھی کہ یہ کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ مگر اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہوتے ہیں۔ چند ہی سال گزرے اللہ نے کسریٰ کو ختم فرمایا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کسریٰ ختم ہوگا اس کے بعد پھر کسریٰ نہیں ہوگا۔ وہ کسریٰ گیا اس کے بعد آج تک ویسا کسریٰ نہ آسکا نہ اس کو وہ حکومت مل سکی۔ آتش پرستوں کا نام ونشان مٹ گیا۔ آج دنیا میں آپ کو آتش پرستوں کی حکومت کا کوئی نام بھی نہیں مل سکتا۔ محبوب ﷺ کی باتیں سچی ثابت ہوئیں۔

نبوی پیشین گوئیاں:

نبی علیہ السلام خندق کھود رہے ہیں۔ تین دن کے بھوکے ہیں پیٹ مبارک پر آپ ﷺ نے پتھر باندھے ہوئے ہیں۔ کھانے کے لیے کچھ پاس نہیں۔ اس وقت کدال مارتے ہیں اور فرماتے ہیں روم کے فتح ہونے کی خوشخبری مل رہی ہے۔ اس کے کنگن فلاں آدمی اپنے ہاتھ میں پہنے گا۔ جب کافروں نے سنا تو وہ حیران ہونے لگے کہنے لگے کھانے کو ملتا نہیں اور قوم کو تسلیاں دیتے پھر رہے ہیں کہ ہم روم اور فارس کے فاتح بن جائیں گے۔ لیکن وقت نے ثابت کر دیا کہ وہ وقت بھی آیا جب نبی علیہ السلام کے غلاموں کے قدموں میں قیصر وکسریٰ کے تاج آ گئے۔ محبوب ﷺ کی بات سچی ثابت ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے حرف بحرف اپنے وعدوں کو پورا کر ڈالا۔

جب مسلمانوں کا رعب پڑا:

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ناقابل یقین کام کروا ڈالے۔ یہودیوں کا ایک ایسا قلعہ تھا جس کے بارے میں مسلمان سمجھتے تھے ان قلعوں پر فتح پانا ہمارے لیے مشکل ہے اور یہودی بھی سمجھتے تھے کہ ہمارے یہ قلعے اللہ کے راستے میں رکاوٹ بن جائیں گے۔ مسلمانوں کے پاس تو اسباب بھی نہیں کہ وہ ان کو فتح کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرما لیا۔ ہوا کیا؟ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔

آپس میں بیٹھ کر سوچنے لگے کہ مسلمان جہاں بھی جاتے ہیں کامیابی ان کے قدم چومتی ہے ایسا نہ ہو کہ یہ ہماری طرف آپڑیں تو پھر ہمارا کیا بنے گا۔ اس سے پہلے یہ جگہ چھوڑ کے چلے جاؤ۔ چنانچہ اپنے سامان کو باندھا اور خود اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو خراب کر کے چل پڑے۔ اللہ تعالیٰ بڑے عجیب الفاظ کے ساتھ اس کے تذکرہ فرماتے ہیں۔ ذرا سینے اور دل کے کانوں سے سنیے۔

دیکھو اللہ تعالیٰ چڑیوں سے کیسے باز مرواتا ہے۔ ھوالذی کے الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنا تعارف کروا رہے ہیں فرمایا:

﴿هُوَالَّذِیْ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْامِنْ اَهْلِ الْکِتَابِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِمَاظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُواوَظَنُّوْااَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِنَ اللّٰهِ فَاَتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْ وَقَذَفَ فِی قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهِمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِالْمُؤْمِنِیْنَ﴾

”وہ ذات جس نے نکالا ان کافروں کو ان کے گھروں سے تمہیں گمان بھی نہیں تھا کہ تم ان کو نکال سکو گے اور ان کا گمان یہ تھا کہ ان کے یہ قلعے اللہ کے راستے میں رکاوٹ بن جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان پر اس طرف سے آیا جس کا ان کو گمان بھی نہیں تھا۔ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان والوں کا رعب ڈال دیا اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے خراب کرتے ہیں۔ ایمان والوں کو پتہ چلا تو انہوں نے بھاگنے میں ان کی مدد کی“

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاعْتَبِرُوْایَااُولِی الْاَبْصَارِ﴾

”او آنکھوں والو تم عبرت حاصل کرو“

جب میں مدد کرنے پہ آتا ہوں تو میں نہتے لوگوں سے ناقابل تسخیر قلعوں کو فتح کرواتا ہوں۔اللہ رب العزت کے وعدے تو ایسے ہیں۔

تو اس لیے اگر کوئی یہ کہے کہ بہت بڑی پاور حملہ کر رہی ہے نہتے لوگوں کو مار مار کے ختم کر ڈالے گی تو ہمارے پاس پہلے ہی سے ایسے نظائر موجود ہیں، مثالیں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی مدد کیسے کی؟ ہماری تسلی کیلئے قرآن پاک کی آیات کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾

''اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں تک پہنچنے کا راستہ ہی نہیں دے گا''

اللہ تعالیٰ راستے میں رکاوٹ بن جائے گا۔ جیسے بچے کو کوئی مارنا چاہے تو باپ آ کے کہتا ہے میاں پہلے مجھ سے بات کرو بچے سے بعد میں کر لینا۔ پہلے میرے ساتھ نمٹو تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ جس طرح باپ بچے کو Pratect کرتا ہے۔ وہ اس کو حفاظت میں لے لیتا ہے اور کہتا ہے بیٹا میں تمہاری طرف سے مقابلہ کروں گا۔ بالکل اسی طرح جو ایمان والوں کو سزا دینا چاہتا ہے تو پھر ایسے حالات میں اللہ رب العزت درمیان میں آ جاتے ہیں۔ وہ تو ایمان والوں کے محافظ ہیں۔

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

''اللہ ایمان والوں کا دوست ہے''

﴿وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ﴾

''اور وہ نیکوکاروں کا سرپرست ہے''

چنانچہ حدیث پاک میں فرمایا:

((مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ))

"جس نے میرے ولی سے دشمنی کی میرا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے"

یہ کافر تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر تو دیکھیں میرا ان کے ساتھ اعلان جنگ ہوگا۔ اس لیے ایمان والوں کو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔

اسلام سے ٹکرانے والوں کا انجام:

ایک بات یاد رکھنا۔ آج کے حالات میں کافر کسی شخصیت کو نہیں ختم کرنا چاہتے اسکو ختم کرنا چاہتے تو ہوسکتا تھا کامیاب ہو جاتے۔ مگر نہیں۔ ان کا مقصد ایمان والے جنہوں نے اللہ کی دھرتی پہ اللہ کے نظام کو نافذ کیا ہے ان کو ختم کرنا ہے۔ تو ایمان والو! کافروں کی ٹکر مومنوں سے نہیں اسلام سے ہو رہی ہے اور جو اسلام سے ٹکراتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو پاش پاش فرما دیتا ہے۔ اسلام کی حفاظت اللہ نے اپنے ذمے لی ہے وہ خود اس کی حفاظت فرمائے گا۔

آج حالات اس طرح ہیں جیسے عبدالمطلب کے وقت میں ہوا تھا۔ ابرہہ اللہ کے گھر کو مٹانے کے لیے چلا تھا اور ان کے اونٹ پکڑ لیے تھے تو انہوں نے کہا تھا بس ہمیں ہمارے اونٹ واپس کر دو۔ ابرہہ بڑا حیران ہوا کہنے لگا: میں تو سمجھا تھا بڑا مطالبہ کریں گے اور یہ تو سو اونٹ ہی مانگ کے جا رہے ہیں۔ تو وہ کہنے لگے کہ آپ نے اونٹ کیوں مانگے؟ وہ کہنے لگے اس لیے کہ یہ اونٹ ہماری ملک ہیں، رہ گیا گھر۔ تو جو گھر کا مالک ہے وہ خود تیرے ساتھ نمٹ لے گا۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے بدمست ہاتھیوں پر سوار ہونے والوں کو کس طرح کچل کے رکھ دیا۔ اسی طرح آج بھی اللہ کے نظام کو مٹانے کے لیے طیاروں کے بدمست ہاتھیوں پر کافر آ کر سوار ہو گئے۔ ہمارے بڑوں نے یہی سوچا کہ ہم اپنے اونٹوں کو بچا لیں۔ یہ حکمت عملی اچھی تھی ہم خود اس قابل نہیں کہ خود جنگ میں سامنے آئیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اچھا فیصلہ ہوا اونٹوں کو ایک طرف کر لیا اور ڈائریکٹ ان کو

اگلا راستہ دکھا دیا۔ اب ان کی ٹکر اسلام سے ہے یہ نظام ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ رب العزت ان کو ایسا رسوا کریں گے، ان کی ایسی گت بنے گی کہ یہ پچھتایا کریں گے کہ ہم نے یہ قدم کیوں اٹھایا تھا۔ ہم تو اللہ کے وعدوں پر بھروسہ کرنے والے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ سے اس کی مدد مانگیں، معافیاں مانگیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہم سے ناراض ہیں تو ہم اللہ کو منانے کی کوشش کریں، پروردگار ہم معافی مانگتے ہیں مہربانی فرما دیجیے پھر اللہ رب العزت کی مدد کے نظارے اپنی آنکھوں سے دیکھنا۔

اللہ کی مدد کے نظارے:

جب ایک ملک نے پہلے بھی مسلمانوں پر حملہ کیا تھا اس وقت بھی اللہ کے وعدے پورے ہوتے ہوئے مجاہدین نے آنکھوں سے دیکھے تھے۔ اب پھر ایک وقت آ گیا پھر ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اس لیے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم گناہوں سے سچی توبہ کریں، اپنے دل و دماغ، آنکھ اور شرم گاہ کو قابو میں رکھیں۔ پھر ہم اپنے رب کے سامنے ہاتھ اٹھائیں، اے اللہ ہم نے آپ سے صلح کر لی ہے۔ اب تک ہم آپ کو ناراض کرتے پھرے، نفس و شیطان کے مطالبات پورے کرتے پھرے۔ اللہ اب بات سمجھ میں آ گئی۔

دنیا والے کہتے ہیں صبح کا بھولا شام کو گھر واپس آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ رب کریم آپ خود ہی تو فرماتے ہیں کہ جو موت سے پہلے پہلے آ کر میرا دروازہ کھٹکھٹا لے تو میرا دروازہ اس کے لیے کھلا ہوتا ہے۔ مولا اب ہمیں احساس ہو گیا، ہم نے بہت گناہ کیے، بہت خطائیں کیں، میرے مالک! اب ہم آپ کو ناراض نہیں کرنا چاہتے آپ مالک حقیقی ہیں۔ اے مالک! ہم دامن پھیلا کر بیٹھے ہیں آپ کی رحمتوں کے منتظر ہیں آپ تو اپنے محبوب ﷺ کو فرماتے ہیں:

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ﴾

''ان کو معاف فرما دیجیے''

﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾

''ان کے لیے استغفار کیجیے اور اپنے مشوروں میں ان کو شامل فرمالیجیے''

جب آپ اپنے محبوب ﷺ کو اتنے اچھے اخلاق کا سبق دے رہے ہیں تو آپ تو پروردگار ہیں۔ اللہ مہربانی فرما دیجیے ہم نے صلح کے لیے ہاتھ بڑھائے ہیں ہمارے ہاتھوں کو خالی نہ لوٹا دینا۔ اللہ ہمیں کافروں کے سامنے رسوا نہ فرما دینا اللہ آپ نے تو خود فرمایا:

﴿فَبِعِزَّتِي وَجَلَالِي لَا أُخْضِيكُمْ وَلَا أَفْضَحُكُمْ بَيْنَ أَصْحَابِ الْحُدُودِ﴾

''مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں تمہیں کافروں کے سامنے کبھی ذلیل و رسوا نہیں کروں گا''

میرے مالک مدد فرما دیجیے گا۔

جب ہم اس طرح کی دعائیں مانگیں گے تو پھر دیکھنا اللہ تعالیٰ کیسے مدد فرماتے ہیں۔ اور اپنے بندوں کو کامیاب کرتے ہیں۔ کوئی ڈرنے کی ضرورت نہیں ہم اپنے کرنے والا کام کرلیں اللہ تعالیٰ ہم پر رحمت فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہے وہ تو فرماتے ہیں:

﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ ○ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾

''اللہ تعالیٰ خود ہی صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔ جب اللہ رب العزت مدد فرمائیں گے تو یقیناً کامیابی ہوگی اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی نگاہ ہر طرف سے ہٹا کر اللہ رب العزت کی ذات پر رکھیں۔ یہ علما کا فرض منصبی ہے کہ عوام الناس پریشان ہوں تو آپ نے ان کو تسلیاں دینی ہیں، عوام الناس کے دل میں جرأت پیدا کرنی ہے، ان کو

قربانیوں کے لیے برانگیختہ کرتا ہے۔ ہم دنیا کی خاطر کتنی تکلیفیں اٹھاتے پھرتے ہیں۔ اگر اسلام کے لیے تکلیفیں اٹھانے کا وقت آ گیا تو مومنوں کو خوش ہونا چاہیے کہ الحمد للہ ہمیں تو اللہ نے اس لیے پالا تھا، ہم اس کے لیے تیار ہیں اللہ تعالیٰ ہماری قربانیوں کو قبول کر لیں۔

گھوڑے کی وفاداری:

ایک گھوڑے کو دیکھیے۔ جس گھوڑے کو مالک پالتا ہے کہ میں اس پر بیٹھ کر جنگ کروں گا اور وہ گھوڑا بھی سمجھتا ہے میرے مالک نے مجھے کھلایا پلایا، میرا خیال رکھا اس لیے کہ میں جنگ میں اس کے کام آؤں گا۔ اب اس گھوڑے کے اوپر جب مالک بیٹھتا ہے، سامنے دشمن کی صفیں ہیں، مالک اس کی لگام کھینچتا ہے، ایڑی مارتا ہے اشارہ دیتا ہے گھوڑے دوڑو اور دشمن کی صفوں میں گھس جاؤ۔ سامنے تیروں کی بارش ہو رہی ہوتی ہے، وہ تیر گھوڑے کے جسم میں چلتے ہیں خون کے فوارے چھوٹتے ہیں، گھوڑا سمجھتا ہے میری جان جانے کا وقت ہے مگر پرواہ نہیں کرتا، کیوں؟ اس کو پتہ ہے آج وفا دکھانے کا وقت ہے۔ میرے مالک نے مجھے اسی لیے پالا تھا۔ میں مر بھی گیا تو کیا بات ہوئی؟ گھوڑا اپنے مالک کا وفادار بنا۔ آگے بڑھتا ہے دشمن کی صفوں میں گھستا ہے، پھر تیر ہو، تفنگ ہو، توپ ہو گھوڑا اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر دشمن کی صفوں میں اپنے سوار مجاہد کو پہنچا دیتا ہے اللہ تعالیٰ کو گھوڑے کی وفا اتنی پسند آئی پروردگار عالم نے قرآن مجید میں قسمیں کھا کھا اس گھوڑے کی دوڑ کا تذکرہ فرمایا:

﴿وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ○ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا﴾

اے پروردگار آپ کتنے قدردان ہیں اگر گھوڑا وفا دکھاتا ہے تو اس کے پاؤں سے جو گرد اڑ رہی ہے آپ اس کی قسمیں کھا کھا کر بات کو قرآن کا حصہ بنا دیتے ہیں تو اللہ کے

بندے اگر اللہ کے ساتھ وفا کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی کتنی قدر دانی ہوگی۔ اس لیے ہمیں شہادت کی تمنا ہونی چاہیے۔

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ذرا توجہ سے سنیے گا۔

نبی علیہ السلام کے ارشاد کا مفہوم ہے ''جس بندے کے دل میں شہادت کی تمنا نہ ہو اور اس کو اللہ کے راستے میں کبھی تکلیف نہ پہنچی ہو جب بھی وہ مرا منافق ہو کر مرے گا'' منافق کی موت سے پناہ مانگیے دل میں شہادت کی تمنا ہو، دین کے لیے قربانی کے لیے ہم تیار ہوں پھر دیکھیے اللہ تعالیٰ کیسی مہربانی فرماتے ہیں۔

شہید کا مقام و مرتبہ:

شہید کو اللہ رب العزت نے کیا انعام دیا؟ ذرا سن لیجیے چلو اللہ نے بات دل میں ڈال دی آپ کی خدمت میں بھی عرض کرتا چلوں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ شہید کے خون کا قطرہ زمین پر ابھی نہیں گرا ہوتا اس سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ ساتھ یہ بھی فرما دیا حدیث پاک کا مفہوم ہے اللہ تعالیٰ شہداء کو اپنی طرف بلائیں گے کہ شہداء اللہ کے عرش کے قریب ہو جائیں اگر کسی کے راستے میں ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بھی کھڑے ہوں گے تو وہ بھی ہٹ جائیں گے اور راستہ دیں گے کہ شہداء اللہ کے عرش کے قریب ہو جائیں ان کو بلایا گیا ہے ان کو اللہ رب العزت کی طرف سے کتنی نعمتیں ملیں گی۔ سبحان اللہ

اس لیے تفسیر قرطبی میں ایک عجیب بات لکھی ہے فرمایا گیا:

ایک عام آدمی جب مرتا ہے تو اس کی روح فرشتے قبض کرتے ہیں لیکن جب شہید کی شہادت کا وقت آتا ہے تو اللہ رب العزت فرماتے ہیں ملک الموت! یہ میرے نام پہ جان دے رہا ہے پیچھے ہٹ جاؤ اس بندے کی روح میں خود قبض کروں گا۔ چنانچہ شہید کی

روح اللہ تعالیٰ خود قبض فرمالیتے ہیں۔ یہ کتنی بڑی سعادت ہے؟

جب کسی عام بندے کو موت آتی ہے تو شریعت کا قانون ہے اس کو غسل دو۔ اسے کفن کا یونیفارم پہنادو۔ اس نے اللہ کے دربار میں پیش ہونا ہے لیکن جہاں شہید کا وقت آیا مالک نے ضابطے بدل دیے۔ محبت کا تقاضا دیکھیے کیسے پورا ہوتا ہے اللہ! ایک آدمی شہید ہوا ہے اسے پانی سے غسل دے دیں۔ اللہ نے ضابطہ بدل دیا۔ کوئی ولی تھا، ابدال تھا، قطب تھا پانی سے غسل دیا گیا۔ یہ شہید ہے اللہ! اسے غسل دے دیں فرمایا نہیں۔ یہ تو خون سے نہا چکا ہے۔ اب اس کو پانی سے غسل دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ! اسے کفن کی یونیفارم پہنادیں؟ فرمایا ہرگز نہیں۔ اس کے کپڑوں پہ جو خون کے دھبے ہیں وہ مجھے پھولوں کی طرح اچھے لگ رہے ہیں۔ انہی کپڑوں کے ساتھ دفن کر دینا قیامت کے دن یہ ان پھولوں کو لے کر میرے سامنے کھڑا ہوگا کہ میرے بندے نے میرے نام پہ اپنی جان دے دی تھی۔ تو سوچیے تو سہی اللہ رب العزت شہید سے کتنی محبت فرماتے ہیں۔ اس لیے فرمایا:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۞ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾

''جو اللہ کے راستے میں قتل کیے جائیں ان کو مردہ بھی نہ کہو بلکہ وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں لیکن تمہیں اس بات کا پتہ نہیں''

تو شہادت ہمارے لیے سعادت ہے ہم اللہ رب العزت سے اس کی دعا مانگا کریں۔ اللہ تعالیٰ سب حضرات کا تشریف لانا قبول فرمالے اور آج کی اس محفل میں اللہ تعالیٰ ہم سب کی توبہ کو قبول کرلے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۞

میں تو اس قابل نہ تھا

شکر ہے تیرا خدایا! میں تو اس قابل نہ تھا
تو نے اپنے گھر بلایا، میں تو اس قابل نہ تھا
اپنا دیوانہ بنایا، میں تو اس قابل نہ تھا
گرد کعبے کے پھرایا، میں تو اس قابل نہ تھا
مدتوں کی پیاس کو سیراب تو نے کر دیا
جام زم زم کا پلایا، میں تو اس قابل نہ تھا
ڈال دی ٹھنڈک میرے سینے میں تو نے ساقیا!
اپنے سینے سے لگایا، میں تو اس قابل نہ تھا
بھا گیا میری زباں کو ذکر الا اللہ کا
یہ سبق کس نے پڑھایا، میں تو اس قابل نہ تھا
خاص اپنے در کا رکھا تو نے اے مولا! مجھے
یوں نہیں در در پھرایا، میں تو اس قابل نہ تھا
میری کوتاہی کہ تیری یاد سے غافل رہا
پر نہیں تو نے بھلایا، میں تو اس قابل نہ تھا

قرآن مجید ایک انقلابی کتاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ

......وَقَالَ رَسُوْل الله صلى الله عليه وسلم تَبَرَّكْ بِالْقُرْآنِ فَاِنَّهٗ كَلَامُ اللّٰهِ وَخَرَجَ مِنْهُ

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

کلام سے متکلم تک رسائی:

ہر انسان کا کلام اس کے جذبات اور احساسات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جب تک آدمی بات نہ کرے اس وقت تک معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے علم کی انتہا کہاں تک ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

اَلْمَرْءُ تَحْتَ لِسَانِهٖ

"انسان اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوتا ہے"

فرماتے تھے: ''تم بات کرو، پہچانے جاؤ گے'' یعنی بات کرنے سے انسان کی حقیقت کا پتہ چل جاتا ہے۔ یوں سمجھیے کہ ہر کلام کے اندر متکلم چھپا ہوتا ہے۔

مشہور واقعہ ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی بیٹی کا نام ''زیب النساء مخفی'' تھا۔ وہ فارسی کے اشعار کہتی تھی۔ ایران کے کسی بڑے شاعر نے ایک مصرعہ کہا:

دُر ابلق کسے کم دیدہ موجود

دُر ابلق ایسے موتی کو کہتے ہیں جو سفید ہوتا ہے، مگر اس میں ہلکی سی سیاہ لائن ہوتی ہے۔ وہ لائن اس کے حسن کو بڑھا دیتی ہے۔ اس نے یہ ایک مصرعہ تو اچھا کہہ دیا، مگر دوسرا کوئی مصرعہ جچتا نہیں تھا۔ اس نے اعلان کروایا کہ اگر کوئی شاعر دوسرا مصرعہ جوڑ دے تو میں اس کو بڑا انعام دوں گا۔ بڑے بڑے شعراء نے کوششیں کیں مگر بات نہ بنی۔

یہ بات زیب النساء مخفی تک بھی پہنچ گئی۔ وہ قدرتاً ایک دن نہانے کے بعد آنکھوں میں سرمہ ڈال رہی تھی...... کبھی کبھی سرمہ ڈالتے ہوئے آنکھ سے پانی آ جاتا ہے...... اس نے سرمہ ڈال کر آئینے میں دیکھا کہ اس کے آنسو کے اندر سرمے کی وجہ سے ہلکی سی لائن تھی۔ اس پر اس نے شعر کو مکمل کیا:

در ابلق کسے کم دیدہ موجود
مگر اشک بتان سرمہ آلود

کہ حسینوں کی آنکھ کا جو سرمہ آلود آنسو ہوتا ہے وہ دُر ابلق کی مانند ہوتا ہے۔ یہ مضمون ہی ایسا بنا کہ جس نے سنا، اس نے واہ واہ کی۔

جب ایرانی شاعر کو پتہ چلا تو اس نے پیغام بھیجا کہ اس شاعر کو میرے پاس بھیجے، میں ملنا چاہتا ہوں۔

یہ سن کر اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بیٹی! میں تمہیں پہلے بھی کہتا تھا کہ ان

کاموں میں مصیبت ہوتی ہے، اب میں کیا کروں۔ وہ کہنے لگی: ابو جی! آپ پریشان نہ ہوں۔ میں ایک شعر لکھ دیتی ہوں، اگر وہ سمجھدار ہوگا تو وہ سمجھ لے گا کہ اس کے لیے میرا دیکھنا ناممکن ہے چنانچہ اس نے شعر لکھا:

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل

''میں اپنے کلام کے اندر اس طرح چھپی ہوئی ہوں جس طرح گلاب کے پھول کی پنکھڑی کے اندر خوشبو چھپی ہوتی ہے''

ہر کہ خواہی میل دارد در سخن بیند مرا

''جو مجھ سے ملاقات کرنا چاہے اس کو چاہیے کہ وہ میرے کلام کو سن لے، اسے میری ملاقات ہو جائے گی''

تو جس طرح کلام میں متکلم چھپا ہوتا ہے، بالکل اسی طرح جو شخص اللہ رب العزت سے ہم کلامی کرنا چاہے وہ قرآن مجید کے الفاظ کے ذریعے سے اپنے رب سے ہم کلام ہو سکتا ہے۔

الفاظِ قرآنی، معرفت کے خزانے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے الفاظ قرآنی کے ذریعے اپنے کمالات بندوں تک پہنچائے ہیں۔ کہ اے میرے بندو! اگر تم ''تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ'' پر عمل کرنا چاہتے ہو تو آؤ ان الفاظ کو پڑھو، ایک ایک لفظ سے تمہارے اوپر معرفت کے دروازے کھلتے چلے جائیں گے۔ چنانچہ کلام اللہ، اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

دیدارِ الٰہی کی تمنا:

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس دنیا میں مومن کا اصلی مقصد ''اللہ کے دیدار کی تمنا'' ہے یہ ایک طبعی امر بھی ہے اور شرعی امر بھی ہے۔ ہر بندے کا جی چاہتا ہے کہ وہ اپنے محبوب

کو دیکھے۔ چنانچہ شاعر نے کہا:

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

اللہ رب العزت نے مومن کو یہ کام سونپا کہ تم دنیا میں میرے دیدار کا تصور باندھو۔ محسوس (Realize) کرو کہ میں تمہارا کیسا محبوبِ حقیقی ہوں۔ یعنی تم دنیا میں جتنی محنت کرو گے، اس کے بقدر تمہیں آخرت میں میرے دیدار کی سعادت نصیب ہو جائے گی۔ دنیا میں محنت کرنے سے انسان کو یہ کیفیت مل جاتی ہے۔

ایک دیہاتی کا واقعہ:

ایک بزرگ تھے۔ ان کے پاس دیہات سے ایک آدمی آیا۔ وہ اللہ اللہ سیکھنا چاہتا تھا۔ مگر اللہ اللہ کے دھیان میں اس کا جی لگتا ہی نہیں تھا۔ وہ بزرگ ماہر نفسیات بھی تھے۔ انہوں نے ایک دن بلا کر پوچھا: بھئی! بتاؤ کہ تمہیں سب سے زیادہ اچھی چیز کون سی لگتی ہے؟ اس نے کہا: اچھا دودھ دینے والی خوبصورت بھینس مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔ وہ دیہاتی آدمی تھا۔ بھینسوں کی خدمت کرتے ہوئے اس کی عمر گزر گئی تھی۔

انہوں نے فرمایا: جاؤ اور کمرے میں بیٹھ کر یہ تصور کرو کہ میں بھینس ہوں۔ وہ بڑا خوش ہو کے چلا گیا۔ یہ اس کا تو محبوب مشغلہ تھا۔ اب جب اس نے یہ تصور کیا کہ میں بھینس ہوں، میں بھینس ہوں، تو چند دنوں کے بعد شیخ اس سے ملنے کے لیے گئے اور انہوں نے اس کو بلایا: ذرا باہر آؤ، تو وہ دروازے پر آ کر رک گیا اور کہنے لگا: میں کیسے آؤں، میرے تو سینگ اٹکتے ہیں۔ یعنی اس کا تصور اتنا جم گیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو بھینس ہی سمجھنے لگ گیا۔

یہ حالت دیکھ کر شیخ نے اپنے مریدین سے کہا کہ اب ہم اس بھینس پر چھری چلائیں

گے، پھر اس کا دل اللہ کی ذات میں خوب لگا کرے گا، کیونکہ اس کا دنیا میں مقصود تھا وہ ذبح ہو جائے گا۔

نماز کے ذریعے دیدارِ الٰہی کی مشق:

مخلوق کا تصور باندھنے میں چند دن لگتے ہیں اور اللہ رب العزت خالق و مالک ہیں، ان کا تصور باندھنے میں پوری زندگی لگتی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ مقصود بن لو:

اَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرٰهُ

''اللہ کی عبادت ایسے کرو جیسے تم دیکھ رہے ہو''

یہ دیکھنے کے تصور کو باندھنے کا حکم ہے۔ گویا نماز کے ذریعے دیدار کی مشق کروائی گئی۔

ہم نے دیکھا کہ جو لوگ دنیا میں کسی کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ اس کی باتیں سوچ کر طبیعت کے اندر خوشی پیدا ہوتی ہے۔ تو تصور اور سوچ کے اندر خیالات کو جمانا، یہ محبت کا ایک اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ مومن کو یہ کہا گیا کہ تمہاری طبیعت کا بھی تقاضا اور شریعت کا بھی تقاضا ہے کہ تم اپنے اللہ رب العزت کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاؤ اور یہ تصور باندھو کہ میرا محبوب حقیقی میرے سامنے ہے۔

اَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرٰهُ

اس کو کہتے ہیں ''رؤیت باری تعالیٰ''

قیامت کے دن انسان جب جنت میں جائے گا تو وہاں اس کو یہی سب سے بڑی نعمت ملے گی۔ جنت کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت اللہ رب العزت کا دیدار ہوگا۔

محبوب کی ملاقات کا اشارہ:

محبوب نے جب ملاقات کرنی ہوتی ہے تو وہ اشارہ کرتا ہے۔ صاف لفظوں میں بات نہیں کرتا۔ اشارہ کرتا ہے کہ ہاں ملاقات ہو جائے گی۔ اللہ رب العزت نے بھی اپنے بندوں کی ملاقات کے لیے جنت کو مہمان خانہ بنایا ہے۔ ہم اور آپ مہمان خانہ بناتے ہیں تو ہم اپنی بساط کے مطابق مہمان کی ضرورت کی چیزیں مہیا کرتے ہیں کہ مہمان یہ پسند کرے گا، یہ پسند کرے گا۔ اللہ رب العزت مالک الملک ہیں انہوں نے مہمان خانہ بنا کر قانون بنا دیا کہ آنے والے مہمانو!

﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ﴾

"جو تمہارا جی چاہے گا، تمہیں میرے اس مہمان خانے میں سب کچھ ملے گا"

اب یہ کیسے ہو کہ میزبان گھر تو بلائے اور دیدار نہ کروائے۔ چنانچہ جنت میں بلانے کا اصلی مقصد بھی یہی ہے۔ دیدار کروانا

حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جب اللہ تعالیٰ اپنا دیدار کروائیں گے تو لوگ نو لاکھ سال تک اللہ تعالیٰ کا دیدار کرتے رہیں گے۔ پھر اس کے بعد جب ان کو جنت واپس بھیجنے لگیں گے تو جیسے بچے کو ماں دودھ پلاتے ہوئے پیچھے ہٹاتی ہے تو وہ تڑپتا ہے کہ پینا ہے ایسے ہی یہ جنتی بچے کی طرح ضد کریں گے کہ ابھی دیکھنا ہے اور دیکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اتنا تو دیکھا ہے۔ وہ کہیں گے: اللہ! یہ تو بہت تھوڑی دیر دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تمہیں تو اتنا عرصہ گزر چکا ہے۔ اللہ اکبر کبیرا

اسی لیے ارشاد فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوا إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ﴾

''اور اللہ تعالیٰ تمہیں سلامتی والے گھر کی طرف بلاتا ہے''

اس آیت میں اشارہ کر دیا کہ گھر آؤ گے تو ملاقات ہو جائے گی۔ تو نماز کے اندر مومن کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ اللہ رب العزت میرے سامنے ہیں۔

آگے ارشاد فرمایا:

فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ

''اگر تم یہ تصور نہیں باندھ سکتے تو پھر یہ تصور کر لو کہ وہ مجھے دیکھ رہے ہیں''

بھئی! دو میں سے ایک صورت حال تو حاصل کر لو نا۔ اللہ رب العزت کی یہ مہربانی ہے کہ اس نے اپنے کلامِ الٰہی کے ذریعے اپنے کمالات انسانوں میں منتقل کرنے کا ایک ذریعہ بنا دیا۔

قرآن مجید کی شمع:

بندہ ظلمتِ محض ہے، اللہ رب العزت بھی نور ہیں اور قرآن کو اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ''نُورٌ مُّبِیْن'' فرمایا معلوم ہوا کہ اس ظلمت کدے کے اندر اگر کوئی روشنی کرنا چاہے تو قرآن مجید کی شمع کو روشن کرلے۔

کلامِ الٰہی فضا پر حاوی ہے:

ہمارا کلام اگر ہوا میں جاتا ہے تو اس پر فضا حاوی ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت کا کلام ایسا ہے کہ وہ فضا کے اوپر حاوی ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا:

تَبَرَّكْ بِالْقُرْآنِ فَاِنَّهٗ كَلَامُ اللّٰهِ وَخَرَجَ مِنْهُ

''قرآن مجید سے برکت حاصل کرو، یہ اللہ کا کلام ہے اور اللہ سے ہی یہ کلام نکلا ہے''

اس لیے یہ کلام اندھیرے سے انسان کو نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔

﴿لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ﴾

کلامِ الٰہی کا سب سے بڑا اثر:

اس کلام کا بڑا اثر (Impact) یہ ہے کہ یہ دنیا میں گرے پڑوں کو اٹھا دیتا ہے۔

......یہ اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانے والی کتاب

......بھولے بھٹکوں کو سیدھا رستہ دکھانے والی کتاب

......قعرِ مذلت میں پڑے ہوؤں کو اوجِ ثریا پہ پہنچانے والی کتاب، اور

......اللہ سے بچھڑے ہوؤں کو اپنے اللہ سے ملانے والی کتاب ہے۔

اس کلام کے ذریعے سے انسان اپنے پروردگار کے ساتھ جڑ جاتا ہے۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا

''اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے قوموں کو بلندی عطا فرماتا ہے''

یہ ایک انقلابی کتاب ہے جو زندگی میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمین جس نے ساری ہلا دی

قرآن مجید نے دنیا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب پیدا کرنے والا یہ ایک لاجواب نسخہ ہے۔ یہ ایسا نسخہ ہے کہ جسے جہلائے مکہ نے استعمال کیا تو عقلائے عالم بن گئے۔ پھر وہ جہاں بھی پہنچے، انہوں نے انقلاب پیدا کر دیا۔ وہاں کی

تہذیب پر بھی اثر انداز ہو گئے اور ان کی زبان بھی بدل کے رکھ دی۔ آج کے دور میں وہ تمام ممالک عربیہ کہلاتے ہیں۔

قرآن مجید کے ذریعے انقلاب کی چند مثالیں

قرآن مجید نے انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب کیسے پیدا کیا؟ اس کی چند مثالیں سن لیجیے:

عورتوں میں انقلاب:

عورت کو اللہ تعالیٰ نے مال کے ساتھ فطری محبت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس بات کی تصدیق فرمادی۔ ارشاد فرمایا:

﴿اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَفِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ﴾

عورت جو سونے میں کھیلتی ہے، سونے کی محبت بھی اس کے دل میں ہوتی ہے۔ اگر آپ اپنی بیوی سے کہیں کہ میں آپ کے لیے کان میں ڈالنے کے لیے بالیاں بنوا کے لاؤں گا تو وہ خوش ہو جائے گی۔ ناک کے اندر جو لونگ ڈالتی ہے، سونے کا بنا ہوا، وہ میں بنوا کے لاؤں گا تو وہ خوش ہو جائے گی۔ اب ذرا سوچیں کہ عورتیں کان اور ناک میں جو زیور پہنتی ہیں وہ تو سوئیاں ہوتی ہیں اور ان کے لیے وہ چھید کروانے کے لیے اسی وقت تیار ہو جاتی ہیں۔ اگر عورت کو کہیں کہ ہم تمہارے جسم میں کیل ٹھونکیں گے مگر وہ سونے کے بنے ہوئے ہوں گے تو وہ کہے گی: جلدی کرو، دیر کس بات کی ہے۔ عورت کے دل میں سونے کی ایسی محبت ڈالی ہے۔ ان عورتوں کے دلوں کو اللہ رب العزت نے کیسے بدل دیا۔ قرآن نے ان عورتوں کی زندگیوں میں کیسا انقلاب پیدا کر دیا۔

① ...... سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تقریباً پچاس ہزار درہم ہدیہ میں

آئے۔انہوں نے اسی وقت مدینہ منورہ کی بیواؤں اور یتیموں کو بلایا اوران دراہم کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنا شروع کر دیا۔جب سارے دراہم خرچ کر دیے تو خادمہ نے آ کر کہا: آپ روزہ سے ہیں اور افطاری کے لیے تو گھر میں کچھ بھی نہیں۔فرمانے لگیں: تم پہلے مجھے بتاتیں......اللہ اکبر......خود روزہ سے ہیں اور اپنی افطاری کی بھی فکر نہ کی اور اتنی بڑی رقم اللہ کے راستے میں خرچ کر ڈالی۔کیوں؟اس لیے کہ دل سے مال کی محبت نکل چکی تھی۔ وہ سمجھتی تھیں کہ جو میں خرچ کر رہی ہوں، یہ میرے لیے آخرت میں ذخیرہ بن رہا ہے۔

۲......حضرت جابر رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔اللہ نے ان کو مال و دولت خوب دیا تھا۔ ایک دن کہنے لگے: آج میری طبیعت کے اندر انشراح نہیں ہے،طبیعت بوجھل سی ہے۔ پھر خود ہی کہنے لگے: آج میرے پاس چھ لاکھ درہم موجود ہیں۔یہ سن کر بیوی نے کہا: میں آپ کی بوجھل طبیعت کا علاج بتاتی ہوں۔پوچھا: کیا؟ کہنے لگیں: آپ جائیں اوران چھ لاکھ دراہم کو صدقہ کر دیں۔جابر رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے کہنے پر چھ لاکھ درہم کو صدقہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو اتنا ہلکا پھلکا پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا جتنا اب محسوس کر رہا ہوں۔

۳......حدیث پاک میں ایک عجیب واقعہ ہے۔امید ہے کہ آپ توجہ کے ساتھ سنیں گے۔

كَانَ غُلَامٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ يَمْلِكُ بُسْتَانًا يُجَاوِرُ بُسْتَانَ رَجُلٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ، فَأَرَادَ الْغُلَامُ اَنْ يَّبْنِىَ حَائِطًا يَفْصِلُ بُسْتَانَهُ عَنْ بُسْتَانِ صَاحِبِهِ، فَاعْتَرَضَتْ لَهُ نَخْلَةٌ هِىَ فِى نَصِيْبِ الْاٰخِرِ، فَأَتَاهُ فَقَالَ اَعْطِنِى النَّخْلَةَ اَوْبِعْنِىْ اِيَّاهَا ،فَأَبٰى

فَأَقْبَلَ الْغُلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ فَشَكَالَهُ الْحَالَ فَأَمَرَهُ اَنْ يَّاتِیْ بِصَاحِبِهٖ، فَاَقْبَلَا وَالنَّبِیُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بَيْنَ اَصْحَابِهٖ فَقَالَ لَهُ ((اَعْطِهِ النَّخْلَةَ)) قَالَ لَا

''انصار میں سے ایک نوجوان تھا جس کا کھجوروں کا باغ تھا صحابہؓ میں سے ایک بوڑھے میاں بھی تھے جن کا باغ اس کے باغ کے ساتھ تھا۔ اس نوجوان نے ارادہ کیا کہ میں اپنے باغ کے گرد باؤنڈری لائن بنالوں تا کہ یہ الگ ہو جائے۔ ایک کھجور باؤنڈری لائن کے بالکل سامنے آجاتی تھی۔ یہ دوسرے بندے کی تھی۔ انہوں نے اس بوڑھے میاں سے کہا: بھئی! یا تو یہ کھجور مجھے دے دو یا پھر بیچ دو۔ میری لائن سیدھی ہو جائے گی۔ بڑے میاں نے ناں کر دی۔ وہ نوجوان نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: جی! میرا یہ تھوڑا سا پرابلم ہے، آپ اسے حل کروا دیں۔ نبی علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس کو میرے پاس لے کے آؤ۔ وہ دونوں نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت نبی علیہ السلام کے درمیان بیٹھے جب وہ آئے نبی علیہ السلام نے اس بوڑھے میاں سے کہا: یہ کھجور اس کو دے دو۔ بوڑھے میاں نے کہا: جی نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ بوڑھے نے پہلے نبی علیہ السلام سے پوچھا: اے اللہ کے نبی! کیا یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ ہے؟ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: یہ میرا حکم نہیں، مشورہ دے رہا ہوں...... جہاں مشورہ کا معاملہ ہوتا ہے وہاں بندے کو اختیار ہوتا ہے ویسے بھی بوڑھوں کی اپنی ایک طبیعت ہوتی ہے، جہاں ہوتے ہیں، جس حال میں ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ کوئی ہمیں ڈسٹرب نہ کرے، چنانچہ جب نبی علیہ السلام نے مشورہ دیا تو اسنے جواب دیا کہ میں نہیں دیتا۔

فَكَرَّرَ عَلَيْهِ ثَلَاثًا وَهُوَ يَأْبٰى عِنْدَهَا قَالَ النَّبِیُّ ﷺ ((اَعْطِهِ

النَّخْلَةَ وَلَكَ بِهَانَخْلَةٌ فِى الْجَنَّةِ)) قَالَ لَا

''نبی علیہ السلام نے تین مرتبہ یہی کہا اور اس بوڑھے میاں نے ناں کر دی۔ پھر نبی علیہ السلام نے فرمایا: یہ کھجور اس کو دے دیں، اس کے بدلے آپ کو جنت میں کھجور ملنے کی ذمہ داری میں لیتا ہوں''

یہ سن کر صحابیؓ پوچھنے لگے: اے اللہ کے نبی! جنت تو ملے گی نا؟ فرمایا: ہاں جنت تو ملے گی۔ چنانچہ وہ کہنے لگے: ایک کھجور کے زیادہ ہونے کی وجہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لیے میں نہیں دیتا۔

وَالصَّحَابَةُ يَرْقُبُوْنَ الْمَوْقِفَ وَيَكْبِرُوْنَ الْعَرْضَ وَيُعْظِمُوْنَ الثَّمَنَ وَيَسْتَنْكِرُوْنَ الْاِحْجَامَ مِنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَا الدهشة تَعْلُوْالْوُجُوْهَ وَصَمْتُ الْاِسْتِغْرَابِ يَمْلَأُ الْمَكَانَ

''صحابہؓ حیران ہو رہے تھے کہ اتنی بڑی قیمت (کہ جنت کی کھجور ملے گی، گویا جنت میں جانے کا پرمٹ مل گیا۔ کھجور تو تبھی ملے گی نا) اور یہ اللہ کا بندہ ناکر رہا ہے)

اس بات کی وجہ سے صحابہؓ کے چہرے پر ایک دہشت آ گئی (حیرانی چھا گئی کہ اتنی بڑی آفر اور یہ بڑے میاں کہتے ہیں کہ میں قبول نہیں کرتا) مکمل سناٹا (Pin drop silence) چھا گیا۔

اِذْشَقَّ ذٰلِكُمُ الصَّمْتَ صَوْتُ اَبِى الدَّحْدَاحِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَيَقُوْلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنْ اَنَا اشْتَرَيْتُ النَّخْلَةَ وَوَهَبْتُهَا الْغُلَامَ اَلِىَ النَّخْلَةُ فِى الْجَنَّةِ؟ قَالَ ((نَعَمْ))

''ایک صحابی ابو دحداح رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے اس خاموشی کو توڑا۔ وہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں یہ کھجور خرید کر اس نوجوان کو دے دوں تو کیا مجھے بھی جنت میں کھجور ملنے کا وعدہ ہے؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! تمہارے لیے بھی وہی وعدہ ہے''

چنانچہ ابو دحداح رضی اللہ عنہ اس بوڑھے میاں کے پاس چلے گئے...... وہ بزنس مین تھے اور سمجھتے تھے کہ بزنس کیسے ڈیل کی جاتی ہے...... وہ اس بڑے میاں کے پاس جا کر بیٹھے۔ پوچھا: کیا حال ہے؟ پھر پوچھا: تمہاری کھجوریں کیسی ہیں۔ اس نے کہا: مجھے ان کھجوروں کا پھل بڑا اچھا لگتا ہے اس لیے میں ان کھجوروں سے الگ نہیں ہونا چاہتا۔ ابو دحداح رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا آپ جانتے ہیں کہ اسی طرح کی کھجوروں کا ایک ایسا باغ بھی ہے جس میں چھ سو درخت ہیں اور وہ قبا میں ہے۔ اس نے کہا: ہاں! میں نے سنا تو ہے۔ ابو دحداح رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اس باغ کا مالک میں ہوں۔ اب بڑے میاں متوجہ ہوئے۔

اب ابو دحداح رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اچھا کیا آپ میرے ساتھ ایک ڈیل کرنا چاہتے ہیں؟ اس بڑے میاں نے پوچھا: کیا؟ کہنے لگے: وہ چھ سو درختوں کا باغ لے لو اور یہ کھجور دے دو۔ بڑے میاں کی تو حیرت کی انتہا نہیں تھی۔ چنانچہ ابو دحداح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَدِابْتَعْتُ النَّخْلَةَ بِبُسْتَانِی الَّذِیْ فِیْهِ سِتُّمِائَةِ نَخْلَةٍ فَقَبِلَ

میں نے اس کھجور کو چھ سو کھجوروں والے باغ کے بدلے میں خرید لیا۔ بڑے میاں نے یہ ڈیل قبول کر لی اور سودا ہو گیا۔

فَذَهَبَ اَبُوالدَّحْدَاحِ مُسْرِعًا اِلٰی بُسْتَانِهٖ یُنَادِیْ زَوْجَتَهٗ یَاأُمَّ الدَّحْدَاحِ ،اُخْرُجِیْ وَابْنَاءَكِ فَقَدْبِعْتُ الْبُسْتَانَ قَالَتْ لِمَنْ؟ قَالَ لِلّٰهِ بِنَخْلَةٍ فِی الْجَنَّةِ ، قَالَتْ رَبِحَ بَیْعُكَ وَبَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِیْمَا اشْتَرَیْتَ

''ابودحداح رضی اللہ عنہ نے جب یہ سودا کرلیا تو وہ اپنے باغ کی طرف گئے (جو چھ سو کھجوروں کا باغ) اور باغ کے کنارے پر کھڑے ہو کر انہوں نے اپنی بیوی کو آواز دی: اے ام دحداح رضی اللہ عنہا! یہ سن کر بیوی نے کہا: خیر تو ہے، آپ نے کبھی اتنی اونچی آواز سے مجھے دور سے نہیں پکارا، بات کرنے کے لیے اندر کیوں نہیں آجاتے؟ فرمانے لگے: تم بھی باغ سے باہر آجاؤ اور اپنے بچوں کو بھی لے آؤ، میں نے اس باغ کا سودا کردیا ہے، کہنے لگی: باغ کا سودا کس سے کیا؟ کہنے لگے: میں نے اللہ کے ساتھ اس کا سودا کرلیا ہے جنت کی ایک کھجور کے بدلے میں۔ بیوی کہنے لگی: اللہ آپ کو مبارک کرے، آپ نے زندگی میں پہلی مرتبہ اتنا اچھا سودا کیا ہے''

قرآن مجید نے زندگیوں میں یوں انقلاب پیدا کر کے رکھ دیا تھا۔ صحابہ کرامؓ کے دلوں میں جنت کی اہمیت بیٹھ چکی تھی۔ اتنا بڑا باغ چھوڑتے ہوئے دیر بھی نہ لگی۔

مردوں میں انقلاب:

آیئے مردوں کا معاملہ دیکھ لیجیے کہ قرآن نے مردوں کی زندگیوں میں انقلاب کیسے پیدا کردیا۔

① ......ایک یہودی تھا، جس کا نام تھا ''سلام بن جبیر'' وہ مدینہ طیبہ کے قریب رہتا تھا۔ وہ اپنے بزنس کے لیے شام کے سفر پر گیا۔ اس نے سودا خریدا۔ واپس آتے آتے اس نے دیکھا کہ ایک غلام بک رہا تھا اور بیچنے والا اسے بہت معمولی سی قیمت پر بیچ رہا تھا۔ سلام بن جبیر یہودی نے سوچا کہ چلو، اس کا بھی سودا کرلیتا ہوں، کسی کو اسکی ضرورت ہوگی تو میں اسے بیچ دوں گا۔

اس غلام (لڑکے) کا نام تھا، سالم۔ اس کو کسی قافلے والے نے زبردستی پکڑ لیا تھا اور غلام بنا کر بیچ دیا تھا۔ پردیس میں تھا۔ اس کو سلام بن جبیر یہودی مدینہ طیبہ لے آیا۔

وہ لڑکا دبلا پتلا سا تھا، اس کی شکل بھی اتنی خوبصورت نہیں تھی۔ رنگ بھی سانولا سا تھا۔ گویا اس کی پرسنلٹی (شخصیت) ایسی تھی کہ کسی کی توجہ بھی نہیں ہوتی تھی۔ کمزور اتنا تھا کہ وہ کام کرنے کے قابل ہی نہیں تھا۔

جب سلام بن جبیر نے مدینہ طیبہ میں اپنے سامان کو بیچنا چاہا تو وہ سامان تو بس لگے ہاتھوں بڑے اچھے منافع کے ساتھ بک گیا، مگر اس لڑکے کو لینے والا کوئی نہ تھا۔ اب سلام اس کو کہتا کہ تم کھڑے رہو، آنے والے آئیں گے، تمہیں دیکھیں گے اور تمہیں لے لیں گے۔ اس حالت میں تین دن گزر گئے۔ چونکہ اسے مالک کا حکم تھا کہ ادھر کھڑے رہو، اس لیے وہ دھوپ میں ہی کھڑا رہتا اور اس میں اس کو پسینہ بھی آتا تھا۔ بھوک بھی لگی ہوتی تھی، پیاس کی وجہ سے بھی برا حال تھا۔ مدینہ طیبہ کا کوئی بندہ خریدنے کو تیار نہیں تھا۔ ہر کوئی کہتا تھا کہ اس کو خرید بھی لیں تو رکھیں کہاں؟

مدینہ طیبہ کی ایک جوان العمر لڑکی تھی۔ اس کا نام تھا "شبیۃ"......عورتوں کے دل اللہ نے نرم بنائے ہیں......اس نے جب اس لڑکے کو دھوپ میں کھڑا دیکھا تو اسے اس پر ترس آ گیا۔ اس نے اس سے پوچھا: کیا تجھے خریدنے والا کوئی نہیں؟ اس نے کہا: نہیں، کوئی نہیں، میں صبح سے شام تک دھوپ میں کھڑا رہتا ہوں۔ اس کی کسمپرسی کو دیکھ کر، اس کو بے سہارا دیکھ کر، شبیۃ کے دل میں خیال آیا کہ اسے میں خرید لیتی ہوں۔ چنانچہ اس نے سلام سے پوچھا: جی! تم اسے کتنے میں بیچو گے؟ اس نے کہا: جتنے میں خریدا ہے، اتنے میں لے لو، مجھے گھاٹا نہ پڑے، میں اس سے جان چھڑانا چاہتا ہوں، اور جب شبیۃ نے خریدا تو سلام بن جبیر خوش ہوا کہ میری جان چھوٹ گئی۔ اب شبیۃ اسے گھر لے آئی اور اسے اپنے گھر میں رکھا۔

ایک قافلہ شام سے واپس مکہ مکرمہ جا رہا تھا۔ اس قافلہ میں ایک اور بزنس مین تھے،

اس کا نام تھا ''ابو حذیفہ'' انہوں نے مدینہ طیبہ میں پڑاؤ ڈالا تو ان کو بھی اس واقعہ کا پتہ چلا۔ شبیۃ کا اس کے ساتھ ہمدردی کرنا اور اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا، اس کو اچھا لگا اور اس نے دیکھا کہ شبیۃ عقل شکل کی بھی اچھی ہے، اچھے گھرانے کی بھی ہے، لہٰذا اس نے اس کے رشتے کے لیے پیغام بھیج دیا۔ گھر والوں نے دیکھا کہ مکہ مکرمہ کا رہنے والا ہے، بزنس مین بھی ہے اور بیٹی کا رشتہ مانگ رہا ہے، اس سے بہتر رشتہ اور کیا ہو سکتا ہے، چنانچہ انہوں نے رشتہ کر دیا۔

ابو حذیفہ چند دن اپنی بیوی کے ساتھ وہاں رہے۔ پھر انہوں نے کہا: جی! میں تو اب مکہ مکرمہ جاتا ہوں۔ اس طرح شبیۃ بھی اپنے خاوند کے ساتھ اور سالم لڑکا بھی ان دونوں کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچ گیا۔

یہ ابو حذیفہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ مکہ مکرمہ میں ان کی دوستی وہاں کے بزنس مینوں سے تھی۔ ان میں سے ایک حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ ان سے ملے مگر انہوں نے محسوس کیا کہ یہ عثمان جیسے پہلے محبت اور پیار سے ملتے تھے، اب ویسے نہیں مل رہے۔ ان کو دل میں بڑا محسوس ہوا تو انہوں نے پوچھا: عثمان! کیا مسئلہ ہے؟ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دیکھو! ہم پہلے ایک طرح کے تھے اور آپس میں دوست بھی تھے، اب میں نے کلمہ پڑھا ہے اور مسلمان بن گیا ہوں اور تو ابھی تک کافر ہے، اب میری تیری دوستی کیسے ممکن ہے؟ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایسے اچھے انداز میں بات کی کہ ابو حذیفہ کلمہ پڑھنے پر تیار ہو گئے۔ چنانچہ وہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کلمہ پڑھ لیا۔

حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی شبیۃ'' بھی بڑی سمجھدار اور نیک تھی۔ اس نے سوچا کہ جب خاوند نے کلمہ پڑھ کے زندگی بدل لی ہے تو میں بھی کلمہ پڑھتی ہوں۔ چنانچہ شبیۃ بھی مسلمان ہو گئی۔

اب شبیتہ نے یہ سنا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جو بندہ اپنے غلام کو آزاد کرتا ہے اس کو اتنا بڑا اجر ملتا ہے۔شبیتہ یہ سن کر کہنے لگی: میں نبی علیہ السلام کی بات پر عمل کر کے اس سالم کو آزاد کرتی ہوں۔اب سالم رونے لگ گیا کہ آپ تو آزاد کردیں گی، لیکن میرا تو کوئی سہارا ہی نہیں۔میرا کیا بنے گا؟ چنانچہ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسکو اپنے پاس رکھ لیا۔اس طرح یہ "سالم مولی ابو حذیفہ" کہلائے۔اس نوجوان نے بھی کلمہ پڑھ لیا۔

اب اس نوجوان کی معاشی حالت دیکھیں، معاشرے کے اندر حیثیت دیکھیں، کوئی آنکھ اٹھا کے بھی نہیں دیکھتا تھا۔کوئی خریدنے کو تیار نہیں تھا۔کلمہ پڑھنے کے بعد اس نوجوان نے نبی علیہ السلام سے قرآن مجید سیکھنا شروع کردیا۔قرآن مجید نے اس نوجوان کی زندگی میں کیا انقلاب پیدا کیا؟ اس کے کیا ہی چھپے ہوئے جوہر ظاہر ہوئے کہ ایک ایسا وقت آیا کہ صحابہؓ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو سالم نے بھی ہجرت کی۔قبا کے مقام پر صحابہؓ کو ایک امام کی ضرورت تھی حدیث میں آیا ہے:

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ،قَالَ لَمَّاقَدِمَ الْمُهَاجِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ الْعُصْبَةَ مَوْضِعٌ بِقُبَاءَ كَانَ يَؤُمُّهُمْ سَالِمُ مَوْلٰى اَبِيْ حُذَيْفَةَ وَكَانَ اَكْثَرُهُمْ قُرْاٰنًاوَكَانَ فِيْهِمْ عُمَرُبْنِ الْخَطَّابِ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مسلمانوں کا پہلا گروپ ہجرت کر کے قبا میں پہنچا تو یہ سالم مولیٰ ابی حذیفہ ان کے امام بنے، ان میں سے اکثر قرآن کے قاری تھے اور مقتدیوں کے اندر عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ بھی موجود ہوتے تھے"

اس نوجوان کو قرآن نے فرش سے اٹھا کر عرش پہ پہنچادیا، کہاں وہ حال کہ کوئی

خریدنے کو بھی تیار نہ تھا اور کہاں آج یہ حال کہ عمر رضی اللہ عنہ بھی ان کے مقتدی بنے۔

اس کے بعد ان کی شخصیت کیا بنی؟ سبحان اللہ...... نبی علیہ السلام نے ان کا قرآن سنا تو فرمایا:

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فِی اُمَّتِیْ مِثْلَ هٰذَا

''میں اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں کہ اللہ نے میری امت میں اس جیسا بندہ پیدا کر دیا''

قرآن زندگیوں میں یوں تبدیلی لاتا ہے۔ یوں گرے ہوؤں کو اٹھاتا ہے۔ نیچے پڑے ہوؤں کو عرش پہ پہنچاتا ہے۔

پھر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بات کہی۔ جب بھی حدیث پاک میں وہ بات پڑھتا ہوں تو سالم رضی اللہ عنہ کی قسمت پر حیران ہوتا ہوں۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ سَالِمًا شَدِیْدُ الْحُبِّ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ

''سالم کے دل میں اللہ کی محبت شدید حد تک موجود ہے''

اللہ اکبر...... کیا ہی خوش نصیب تھا! اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم تصدیق فرماتے ہیں کہ سالم کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت شدید کیفیت میں موجود ہے۔

۲...... آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی کیس سٹڈی کریں۔ اسلام لانے سے پہلے کیا تھے اور اسلام لانے کے بعد کیا بن گئے؟ قرآن مجید نے ان کی زندگی میں کیا انقلاب پیدا کر دیا؟

سچی بات تو یہ ہے کہ جب نبی علیہ السلام نے توحید کا پیغام دیا تو مکہ کے لوگ نبی علیہ السلام کے دشمن بن گئے۔

...... جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق کہتے تھے، وہ کاذب کہنے لگ گئے۔

......جو امین کہتے تھے، وہ کاہن کہنے لگ گئے۔

......جو فیصل اور حکم کہتے تھے، وہ ساحر کہنے لگ گئے۔

......جو حکیم کہتے تھے، وہ شاعر کہنے لگ گئے۔

......جو آپ ﷺ کے گلے میں ہار ڈالتے تھے، وہ آپ ﷺ کے مبارک گلے میں رسیاں ڈالنے لگ گئے۔

......جو آپ ﷺ کو پھول پیش کرتے تھے، وہ پتھر پھینکنے لگ گئے۔

......جو آپ ﷺ کے مبارک راستے میں پلکیں بچھاتے تھے، اب وہ آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھانے لگ گئے۔

جب اتنی مخالفت تھی تو ان مخالفین میں سے ایک عمر تھے۔ وہ کہنے لگے: یہ کیا روز کا جھگڑا، لو میں چلتا ہوں اور جا کر قصہ ہی سمیٹتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے تلوار ہاتھ میں لی اور نبی ﷺ کو شہید کرنے کی نیت سے چل پڑے۔

راستے میں ایک صحابی سعید رضی اللہ عنہ مل گئے۔ انہوں نے پوچھا: کیا خیال ہے، تلوار ہاتھ میں ہے، کہاں جا رہے ہو؟ کہنے لگے: میں ان کا قصہ سمیٹنے جا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا: ان کی بات تو بعد میں کرنا، تم اپنی بہن کا پتہ کرو، تمہارا بہنوئی اور تمہاری بہن بھی مسلمان ہو چکی ہے۔ کہنے لگے: اچھا چنانچہ وہیں سے مڑے اور بہن کے گھر پہنچ گئے۔

وہ میاں بیوی، دونوں کسی صحابیؓ سے قرآن مجید کی آیتیں سیکھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ آواز سن لی۔ جب گھر میں داخل ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ انتہائی غصے کی حالت میں تھے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: سنا ہے کہ تم نے اپنا دین بدل لیا ہے۔

بہنوئی نے کہا: اگر وہ سچا ہو تو......

حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصے میں تو پہلے ہی تھے۔ بہنوئی کی یہ بات سن کر اور بھی زیادہ طیش میں آ کر اسے مارنے لگ گئے۔ نیچے گرا دیا...... اللہ نے قوی بدن تو دیا ہی تھا...... اب بہن اپنے خاوند کو بچانے کے لیے قریب آئی تو انہوں نے اس کو بھی تھپڑ لگایا۔ جب تھپڑ لگایا تو ان کی آنکھوں میں سے آنسو آ گئے، مگر وہ بہن جرأت کے ساتھ سامنے آ کر کھڑی ہو گئی اور کہا:

''عمر! جس ماں کا دودھ تو نے پیا ہے، اسی ماں کا دودھ میں نے بھی پیا ہے، تم میرے جسم سے جان نکال سکتے ہو، میرے دل سے ایمان کو نہیں نکال سکتے''

بہن کی بات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل کو گھائل کر دیا۔ کہنے لگے: اچھا مجھے بھی بتاؤ کہ تم کیا پڑھ رہے ہو؟ وہ کہنے لگیں: نہیں آؤ! تمہیں لے چلتے ہیں۔

اب وہ مل کر نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی علیہ السلام نے سورہ طٰہ کی ابتدائی آیتیں پڑھیں:

﴿طٰهٰ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰى﴾

پھر جب پڑھا:

﴿اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾

تو عمر رضی اللہ عنہ دل دے بیٹھے۔ چنانچہ وہیں کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔

مقام فاروقی رضی اللہ عنہ:

اب یہ عمر رضی اللہ عنہ جب مسلمان بنے تو ان کا چالیسواں نمبر تھا۔ انتالیس نمبر پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تھے۔ مگر اللہ رب العزت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مناسبتِ قرآن کی وجہ سے اتنا اوپر اٹھایا کہ یہ امت میں دوسرے نمبر پر آ گئے۔

اب اس دوسرے نمبر پہ آنے کے پیچھے کیا باتیں تھیں؟ ان میں سے ایک بات یہ ہے

کہ ان کو قرآن مجید سے بہت زیادہ محبت اور مناسبت تھی۔ پڑھتے تھے تو کہتے تھے:

هٰذَا كَلَامُ رَبِّي هٰذَا كَلَامُ رَبِّي

''یہ میرے رب کا کلام ہے، یہ میرے رب کا کلام ہے''

اللہ رب العزت کے ہاں ان کا ایسا مقام بنا کہ سولہ مواقع ایسے تھے کہ ان کی رائے قرآن مجید کے بالکل مطابق نکلی۔

كَانَ رَايُهٗ مُوَافِقَةً لِوَحْيٍ وَالْكِتَاب

نبی علیہ السلام نے ان کا مقام یوں بتایا:

لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيًّا لَكَانَ عُمَرَ

''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوسکتا تو عمر کو اللہ نے وہ مقام دیا تھا کہ یہ نبی ہوتے''

فرمایا:

''عمر کی زبان سے حق بولتا ہے''

فرمایا:

''عمر جس راستے پر چلتا ہے، شیطان اس راستے کو چھوڑ دیتا ہے''

جن کو اللہ نے یہ مقام دیا، ان کی اپنی زبان سے یہ بات سنیے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں مکہ مکرمہ گئے۔ ایک جگہ پہاڑی پر چڑھتے ہوئے رک گئے اور پیچھے وادی میں دیکھنا شروع کر دیا۔ پیچھے کافی سارے لوگ تھے۔ وہ بھی کھڑے ہو گئے کسی نے کہا: امیر المومنین! خیریت تو ہے، آپ کی وجہ سے لوگ چلچلاتی دھوپ میں، پسینے میں ڈوبے کھڑے ہیں۔ جواب میں عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں اس وادی کو دیکھ رہا ہوں، جہاں اسلام لانے سے پہلے جوانی میں میں اپنے اونٹوں کو چرانے کے لیے آیا کرتا تھا اور مجھے اونٹ چرانے کا تجربہ نہیں

تھا۔ میرے اونٹ خالی پیٹ جاتے تھے تو میرا والد خطاب مجھے کوستا تھا، ڈانٹتا تھا، عمر! تم بھی کیا زندگی گزارو گے، تمہیں تو جانور چرانا بھی نہیں آتے۔ اب میں اس وقت کو یاد کر رہا ہوں جب اسلام سے پہلے عمر کو جانور چرانا نہیں آتے تھے اور آج اس وقت کو دیکھ رہا ہوں جب اسلام اور قرآن کے صدقے اللہ نے عمر کو امیر المومنین بنا دیا ہے"

یہ قرآن بندے کو فرش سے اٹھا کر عرش پہ پہنچا دیتا ہے۔ عربی میں تخت کو عرش کہتے ہیں۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ نے وہ مقام دیا کہ ان کا حکم ہوا پہ چلا، زمین پہ چلا، پانی پہ چلا اور آگ پہ چلا۔ اس کو کہتے ہیں "مقام تسخیر"

ایک مرتبہ مدینہ طیبہ کے قریب سے آگ نکلی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے تمیم داری رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ جائیں اور اس آگ کو بجھائیں۔ وہ گئے اور انہوں نے اپنے کپڑے کو چابک کی طرح بنالیا اور آگ کو ایسے مارنا شروع کر دیا جیسے کسی جانور کو مارتے ہیں۔ آگ جہاں سے نکلی تھی، بالآخر وہیں واپس لوٹ گئی۔ آگ نے گویا حکم مانا۔

ہوا نے بھی حکم مانا۔ کھڑے مدینہ طیبہ میں ہیں اور خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

يَاسَارِيَةَ الْجَبَل

ساریہ رضی اللہ عنہ سینکڑوں میل دور دشمن سے لڑ رہے تھے۔ ہوا ان کی آواز کو سینکڑوں میل دور تک پہنچا دیتی ہے۔

زمین نے بھی حکم مانا۔ دورِ فاروقی رضی اللہ عنہ میں زمین میں زلزلہ آیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے زمین پر پاؤں مارا اور ایڑی مار کر کہا: اے زمین! کیوں ہلتی ہے؟ کیا عمر نے تیرے اوپر عدل قائم نہیں کیا؟ زمین کا زلزلہ اسی وقت بند ہو جاتا ہے۔

پانی نے بھی حکم مانا...... مصر کے فاتح نے خط لکھا کہ دریائے نیل کا پانی بند ہو جاتا ہے، چلتا نہیں جب تک کہ اس میں کسی نوجوان لڑکی کو نہ ڈالیں۔ اب ہم کیا کریں؟ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں دریائے نیل کے نام خط لکھا:

"اے دریائے نیل! اگر تو اپنی مرضی سے چلتا ہے تو مت چل، اور اگر تو اللہ کے حکم سے چلتا ہے تو عمر ابن الخطاب تجھے حکم دیتا ہے کہ تو چل"

دریائے نیل اس وقت سے چلنا شروع ہوا اور آج تک چل رہا ہے اور عمر رضی اللہ عنہ کی عظمت کے پھریرے لہرا رہا ہے۔

لگاتا تھا تو جب نعرہ تو خیبر توڑ دیتا تھا
حکم دیتا تھا تو دریا کو رستے چھوڑ دیتا تھا

شیر کی فرمانبرداری:

قرآن مجید نے صحابہؓ کو ایسے مقام پر پہنچا دیا تھا کہ اللہ کی مخلوق ان کی مطیع اور فرمانبردار ہو جاتی تھی۔

سفینہ رضی اللہ عنہ شیر کو دیکھ کر کہتے ہیں:

"میں قافلے سے دور ہوں، تمہیں انسانوں کی بو محسوس ہو جاتی ہے، مجھے قافلے تک پہنچا کے آؤ"

چنانچہ وہ دم ہلاتا ہوا قریب آ جاتا ہے اور انہیں سوار کرا کے قافلے تک پہنچا دیتا ہے۔ ان کو یہ مقام کہاں سے ملا؟ یہ قرآن اور صاحب قرآن کی برکت سے ملا۔ اسی لیے جو بندہ قرآن کو پڑھ کر اس کے مطابق اپنی زندگی کو بناتا ہے، جس طرح قرآن خود معزز ہے اپنے پڑھنے والے کو بھی اسی طرح معزز بنا دیتا ہے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان
کردار میں گفتار میں اللہ کی برہان
یہ بات کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

قوتِ ایمانی:

جب قرآن مجید کی وجہ سے دل میں قوت ایمانی بھر جاتی ہے تو پھر اس کے سامنے قوتِ جسمانی کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔قوت ایمانی،قوت جسمانی سے ہر حال میں اعلیٰ ہے۔

①......مشہور واقعہ ہے کہ نبی علیہ السلام لوگوں کو دین کی دعوت دیتے تھے۔ایک پہلوان تھا، جس کا نام ''رکانہ''۔اس کو بھی دین کی دعوت دی۔وہ کہنے لگا: میں زیادہ باتیں نہیں جانتا، میں تو کشتی کرنا جانتا ہوں۔آپ بھی کشتی کر لیں، اگر مجھے پچھاڑ دیں گے تو میں آپ کی بات مان لوں گا۔رکانہ کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ اس کے پاس ایک ہزار بندوں کے برابر طاقت ہے......اس کے اندر اتنی طاقت تھی کہ اگر وہ کھال کے اوپر بیٹھ جاتا تھا اور اس کے نیچے سے لوگ کھال نوچنے کی کوشش کرتے تھے تو کھال پھٹ کے ہاتھوں میں آجاتی تھی، مگر نیچے کی کھال سرکتی نہیں تھی۔

ہدایت کا معاملہ تھا۔اس لیے جب اس نے یہ آفر کی تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: بہت اچھا میں تمہارے ساتھ کشتی کرتا ہوں۔چنانچہ کشتی کیا ہوئی، کہ نبی علیہ السلام نے اس کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالتے ہی اس کو نیچے لٹا دیا۔

رکانہ کو حیرت ہوئی اور کہنے لگا: کیا میں واقعی گر گیا ہوں؟ فرمایا: دیکھ نہیں رہے؟ اس نے کہا: اچھا! پھر ایک مرتبہ کشتی کرتے ہیں۔چنانچہ دوبارہ پھر کشتی ہوئی۔نبی علیہ السلام نے پھر نیچے لٹا دیا۔اب رکانہ اٹھے اور کہنے لگے:

”میں کلمہ پڑھ کے مسلمان ہوتا ہوں، مجھے جسمانی قوت والا کوئی بندہ نہیں پچھاڑ سکتا، یہ کوئی روحانی قوت ہے جس نے مجھ کو پچھاڑ کے رکھ دیا ہے“

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ماہان ساٹھ ہزار فوجی لے کر آیا۔ مسلمانوں کی تعداد دس ہزار تھی۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا: دس ہزار بہت زیادہ ہیں، اتنے بندوں کے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ کسی نے پوچھا: پھر کتنے چلے جائیں؟ کہنے لگے: بس تھوڑے سے بھی کافی ہیں۔ پھر بھی آخر کتنے؟ کہنے لگے: میں اکیلا ہی کافی ہوں۔

کسی نے کہا: خالد! کیا آپ کو اس بات میں کہیں عجب تو نظر نہیں آتا؟

فرمانے لگے: دیکھو! مومن کی مثال زندہ کی مانند اور کافر کی مثال مردہ کی مانند ہے، ایک زندہ کے مقابلے میں ساٹھ ہزار مردے بھی آجائیں تو وہ زندہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے“

اللہ اکبر! ایسا پختہ یقین تھا، اور وہی ہوا کہ ساٹھ بندوں کو لے کر گئے اور ساٹھ ہزار کو مار بھگایا۔

۲...... حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کے واقعات بہت مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ لاکھوں کے ساتھ مقابلہ تھا۔ ان کے درمیان گھر گئے۔ کئی گھنٹے ان کے ساتھ لڑتے رہے۔ حتیٰ کہ گھوڑا تھک گیا۔ اب گھوڑے میں پاؤں اٹھانے کی سکت نہیں تھی۔ جب دشمنوں نے دیکھا کہ اب گھوڑے سے بھاگا نہیں جاتا تو انہوں نے گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ تو اس طرح مجھے گرفتار کر لیں گے۔ فتوح الشام میں لکھا ہے کہ جب انہوں نے یہ محسوس کیا تو وہ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے ہوئے گھوڑے کی پیشانی کی طرف جھکے اور گھوڑے کی پیشانی پر ہاتھ پھیر کر کہا:

”اے گھوڑے! تھوڑی دیر میرا ساتھ دے، ورنہ میں نبی علیہ السلام کے

روضے پہ جا کر تمہاری شکایت کروں گا"

یہ الفاظ کہنے ہی تھے کہ گھوڑا ہنہنایا اور پھریوں بھاگنے لگا جیسے نئی جان آ گئی ہو۔ پھر وہ پورے حصار کو توڑ کر باہر نکل آیا۔

یہ قوت ایمانی تھی۔ اور یہ قوت ایمانی کہاں سے ملتی ہے؟ یہ قرآن کے پڑھنے، اسے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے ملتی ہے۔

خیرِ امت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور خیر القرون بن گیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خیرِ امت بن گئے۔ ان کے دلوں سے موت کا خوف نکل گیا تھا۔ علامہ اقبال نے لکھا:

تھے ہمیں ایک تیرے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾

"تم خیر امت ہو، تم انسانوں کے لیے نکالے گئے ہو"

یعنی مسلمان دنیا میں لینے کے لیے نہیں، دینے کے لیے آیا ہے۔ یہ مخلوق سے لینے کے لیے نہیں آیا۔ اس کے آنے کا مقصد یہ نہیں کہ یہ دردر کے دھکے کھاتا پھرے اور مانگتا پھرے۔ فرمایا: نہیں، تم اپنے رب سے لو اور مخلوق کو دو۔ یہ تمہارا منصب ہے۔ چنانچہ

مسلمانوں کو

......کسی قوم سے مذہب لینے کی ضرورت نہیں۔

......کسی قوم سے معاشرت لینے کی ضرورت نہیں۔

......کسی قوم سے معیشت کی بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں۔

اس لیے کہ دین اسلام کے اندر ان تمام علوم کو اللہ نے بھر دیا ہے۔ ہماری تو وہی مثال ہے کہ ٹوکرا روٹیوں کا بھرا سر پہ ہے اور لوگوں کے دروازوں پر بھیک مانگتا پھرے۔ قرآن ہمارے پاس موجود ہے۔ یاد رکھیں کہ یہ انسانیت کے لیے

......ضابطہ حیات ہے۔

......دستور حیات ہے،

......منشور حیات ہے بلکہ

......یہ قرآن انسانیت کے لیے آب حیات ہے۔

اللہ رب العزت نے ہمیں یہ عطا فرمایا اور آج یہ ہمارے پاس موجود بھی ہے۔ اس لیے مومن کا اللہ رب العزت کے ہاں ایک مقام ہے۔

یاد رکھنا! مومن کی دو حالتیں ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اللہ کی مان کر چلے گا تو امام عالم بنے گا اور دوسری یہ کہ اگر نفس کی مان کر چلے گا تو غلامِ عالم بنے گا۔ پھر ساری دنیا کی غلامی مل جائے گی۔ ہر کوئی اس پر رعب جمائے گا، ہر کوئی ڈکٹیٹ کرے گا اور یہ سب کی بات مانتا پھرے گا۔

اب ہماری حالت کیا ہے؟ ہم نے کلمہ پڑھ لیا اور عمل قرآن کے مطابق کرتے نہیں۔ گویا ہماری مثال یہ ہے کہ کام تو بھنگیوں والے کریں اور تنخواہ بادشاہوں والی مانگیں، بھئی! بھنگیوں والا کام کرنے پر تنخواہ بھنگیوں والی ملتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم نفس کی ماننے

کے بجائے اپنے رب کی مانیں، پھر دیکھیں کہ اللہ رب العزت کیسے عزتوں کے تاج پہناتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ یہی پیغام لے کر نکلے اور انہوں نے اللہ کے بندوں کو اللہ سے واصل کر دیا۔

عاملِ قرآن کی سربلندی:

صحابہ کرامؓ کے پاس لائبریریاں نہیں تھیں۔ ان کے پاس فقط ایک قرآن تھا۔ اور یاد رکھنا کہ عامل قرآن ہمیشہ سربلند رہتا ہے۔ عامل قرآن کو اللہ دنیا میں رسوا نہیں ہونے دیتے۔ چنانچہ انہوں نے

چڑھتے سورج سے تاج مانگا
سمندروں سے خراج مانگا

حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کسریٰ کے مقابلے میں گئے تو اس نے پوچھا کیوں آئے ہو؟ فرمایا:

جِئْنَا لِنُخْرِجَ الْعِبَادَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ اِلٰى عِبَادَةِ رَبِّ الْعِبَاد

''ہم آئے ہیں کہ بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر بندوں کے رب کی غلامی میں لے آئیں''

کیا تاریخی جملہ کہا اور آگے فرمایا:

وَمِنْ جَوْرِ الْاَدْيَانِ اِلٰى عَدْلِ الْاِسْلَامِ

''اور مذاہب کے ظلم سے نکال کر اسلام کے عدل سے ہمکنار کر دیں''

پھر آگے اور بھی عجیب بات کہی: فرمایا

وَمِنْ ضِيْقِ الدُّنْيَا اِلٰى سِعَةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

''اور دنیا کی تنگی سے نکال کر ان کو دنیا و آخرت کی وسعت عطا کریں''

گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جانتے تھے کہ قرآن دیتا کیا ہے۔ اس کے بدلے میں ملتا کیا ہے۔ چنانچہ جو بندہ چاہے کہ مجھے اللہ رب العزت کا قرب ملے اس کو چاہیے کہ وہ قرآن مجید سے محبت بڑھائے۔ زیادہ پڑھنے سے، یاد کرنے سے، اس پر عمل کرنے سے، اس کو سمجھنے سے قرآن پاک کے ساتھ محبت بڑھتی چلی جاتی ہے۔

خباب بن الارت رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

فَاعْلَمْ اَنَّكَ مَنْ تَتَقَرَّبَ اِلَيْهِ بِشَىْءٍ هُوَاَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ كَلَامِهٖ

''جان لو کہ کوئی بندہ اللہ کا قرب اس کے کلام سے زیادہ کسی اور چیز سے نہیں پا سکتا''

ہماری تنزلی کی بنیادی وجہ:

آج ہماری تنزلی کی بنیادی وجہ قرآن سے دوری ہے۔ کتنے لکھے پڑھے انگریزی سمجھنے والے نوجوان ہیں،

......جو ایم اے کر لیتے ہیں۔

......پی ایچ ڈی کر لیتے ہیں۔

......ایم بی اے کر لیتے ہیں۔

......سی اے کر لیتے ہیں۔

......ان کا جی پی اے 3.95 اور 3.97 ہوتا ہے۔

مگر قرآن مجید کی ایک سورت کا ترجمہ نہیں آتا۔ اب اگر اللہ نے قیامت کے دن یہ پوچھ لیا کہ اے میرے بندے! میں نے آپ کو جو ٹریلنز آف برین سیلز دیے تھے، کیا تم

نے ان کے ذریعے سے میرے کلام کو سمجھا ہے؟ جس کو میں نے سمجھنے کے لیے آسان بنادیا تھا، وہ قرآن مجید ہی تھا، تو بتائیں کہ اس وقت ہم کیا جواب دے پائیں گے؟ کیا یہی جواب دیں گے کہ اے اللہ! میں نے

......میڈیکل بھی سیکھ لیا

......انجینئرنگ بھی سیکھ لی

......کمپیوٹر بھی سیکھ لیا

......مگر تیرا قرآن سیکھنے کی مجھے فرصت بھی نہیں ملی

سوچیے کہ ہم قیامت کے دن کیا جواب دے سکیں گے۔ اس لیے جو انگریزی لکھے پڑھے، دفتروں میں کام کرنے والے بیوروکریٹس ہیں وہ اپنی ذمہ داری سمجھیں کہ ہم سے بھی پوچھا جائے گا کہ تم نے میرے قرآن کو سمجھنے کی کوشش بھی کی تھی یا نہیں۔ کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ قرآن مجید جھگڑا کرے گا اور اپنا حق مانگے گا۔ اب بتائیے کہ کیا قرآن کے مقابلہ میں ہم اللہ کی عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہو سکیں گے۔

تو پھر غیروں سے کیا گلہ؟

یہ قرآن مجید انسانوں کو زندہ کر دیتا ہے۔ آج چونکہ ہمارے دلوں کے اندر اس کا نور ہے، اس لیے ہم روحانی طور پر مردہ ہیں۔ اور جو مردہ ہوتا ہے اس کی وجہ سے تعفن اور بدبو بڑھتی اور پھیلتی ہے، اور جو اس مردے کو دفن کر دے لوگ اسے اپنا محسن سمجھتے ہیں کہ اس نے بڑا اچھا کیا کہ اس مردے کو دفن کر دیا۔ اب ہم بھی مردہ بنے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی غیر آ کر ہمیں دفن کر دیتا ہے تو پھر گلہ کس بات کا؟ مردے کو تو دفن کیا ہی جاتا ہے۔ غیروں سے گلہ کرنے کے بجائے ہم اپنے بارے میں سوچیں۔

قرآن کی فریاد:

ہم قرآن مجید سے کتنے غافل بن چکے ہیں؟ کسی شاعر نے ''قرآن کی فریاد'' کے نام سے چند اشعار لکھے ہیں۔ وہ ذرا آپ بھی سن لیجیے۔ شاید کہ ہمیں بھی کچھ احساس حاصل ہو جائے۔

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں
آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں
تعویذ بنایا جاتا ہوں
دھو دھو کے پلایا جاتا ہوں
جزدان حریرو ریشم کے
اور پھول ستارے چاندی کے
پھر عطر کی بارش ہوتی ہے
خوشبو میں بسایا جاتا ہوں
جس طرح سے طوطے مینا کو
کچھ بول سکھائے جاتے ہیں
اس طرح سکھایا جاتا ہوں
اس طرح پڑھایا جاتا ہوں
جب قول و قسم لینے کے لیے
تکرار کی نوبت آتی ہے
تب میری ضرورت پڑتی ہے
ہاتھوں پہ اٹھایا جاتا ہوں

یہ مجھ سے عقیدت کے دعوے
قانوں پہ راضی غیروں کے
یوں بھی مجھے رسوا کرتے ہیں
ایسے بھی ستایا جاتا ہوں
دل سوز سے خالی رہتے ہیں
آنکھیں ہیں کہ نم ہوتی ہی نہیں
کہنے کو تو ایک ایک جلسے میں
پڑھ پڑھ کے سنایا جاتا ہوں
نیکی پہ بدی کا غلبہ ہے
سچائی سے بڑھ کر دھوکہ ہے
اک بار ہنسایا جاتا ہوں
سو بار رلایا جاتا ہوں
کس بزم میں میری یاد نہیں
کس عرس پہ میری دھوم نہیں
پھر بھی میں اکیلا رہتا ہوں
مجھ سا بھی کوئی مظلوم نہیں

آج ہماری یہ حالت ہے کہ ہمارے پاس

......اخبار پڑھنے کا وقت ہے۔

......ٹی وی دیکھنے کا وقت ہے

......لوگوں سے فون پہ گپیں مارنے کا وقت ہے۔

......الٹے سیدھے میسج بھیجنے کا وقت ہے، لیکن

......سارا دن گزر جاتا ہے اور ہمیں قرآن پڑھنے کا وقت نہیں ملتا۔

قرآن مظلوم ہے آج یہی وجہ ہے کہ آج ہماری زندگیوں سے یہ نعمت نکلی اور ہم مردے کی طرح بن گئے، اور آج ہمارا یہ حشر ہو رہا ہے۔

ایک عجیب بات:

ہمارے بزرگوں نے ایک عجیب بات کہی:

اِنْ اَرَدْتَّ انْ تَعْرِفَ قَدْرَكَ عِنْدَاللّٰهِ فَانْظُرْاِلٰى قَدْرِالْقُرْآن عِنْدَكَ

''اگر تو چاہے کہ اللہ کے ہاں اپنا مقام معلوم کرے تو دیکھ کہ تیرے دل میں قرآن کا کیا مقام ہے''

تم قرآن کے ساتھ کتنا وقت گزارتے ہو؟ سمجھنے میں، عمل کرنے میں۔ اگر گھر کے لوگوں میں سے پورے دن میں ایک بندہ بھی قرآن نہیں کھولتا تو پھر محبت کے دعوے کہاں کے؟ اگر کہیں کہ روز قرآن مجید کی تلاوت کرو، تو پڑھنا ہی مشکل ہوتا ہے۔ کہتے ہیں: جی ایک دفعہ مشکل سے پڑھا جاتا ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

لَوْطَهَرَتْ قُلُوْبُكُمْ مَاشَبِعْتُمْ مِنْ كَلَامِ رَبِّكُمْ

''اگر تمہارے دل صاف ہوتے تو قرآن مجید پڑھنے سے تمہارے دل کبھی نہ بھرتے''

چنانچہ جن کے دل صاف ہوتے ہیں وہ قرآن مجید دن اور رات کے مختلف حصوں میں پڑھتے ہیں اور ان کے دل اس کی تلاوت سے بھرتے ہی نہیں ہیں۔ وہ راتوں کے منتظر ہوتے ہیں کہ تہجد میں ہم اللہ کے سامنے قرآن پڑھیں گے۔

دل کی روح:

اب اسی بات کو ذرا ایک اور زاویے سے یہ عاجز پیش کرتا ہے...... بات بڑی اہم ہے توجہ کے قابل ہے

ایک ہے جسم کی روح۔ اگر جسم میں رہے تو جسم زندہ رہتا ہے، جسم میں رہے تو جسم حرکت کرتا ہے، اگر روح نکل جائے تو جسم مردہ ہو جاتا ہے۔

جس طرح جسم کی روح ہے اسی طرح اللہ رب العزت نے انسان کے دل کی بھی ایک روح بنائی ہے...... سنیے قرآن عظیم الشان...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿كَذَالِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾

''اے میرے حبیب ﷺ ہم نے آپ کی طرف اپنے امر اپنی روح کو بھیجا''

اس روح سے کیا مراد ہے؟ اس سے مراد ہے:

مَنْ اٰمَنَ صَارَ بِهٖ قَلْبُهٗ حَيًّا

''جو ایمان لاتا ہے اس کا دل زندہ ہو جاتا ہے''

لفظ روح کا استعمال:

قرآن مجید میں روح کا لفظ سات جگہوں پر استعمال ہوا۔

① ...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ

یہاں روح سے مراد ''رحمت'' ہے۔

② ......يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰئِكَةُ

یہاں روح سے مراد ''فرشتہ'' ہے۔

③ ......تَنَزَّلُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا

یہاں روح سے مراد ''جبریل امین'' ہیں۔

④ ......فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا

یہاں روح سے مراد ''عیسیٰ علیہ السلام'' ہیں

⑤ ......وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ

یہاں روح سے مراد ''آدم علیہ السلام'' ہیں۔

⑥ ......يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ

یہاں ''ہمارے جسم کی روح'' مراد ہے۔

⑦ ......رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا

یہاں روح سے مراد ''دل کی روح'' ہے۔

گویا جس بندے کے دل میں قرآن اتر جائے گا، اس بندے کا دل مردہ نہ رہے گا، بلکہ اس کا دل زندہ ہو جائے گا۔

قرآن دلوں کے تالے کھولتا ہے:

آج ہمارے دلوں کے مردہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا جسم قرآن کے علم اور اس کی تعلیمات سے خالی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح مردہ حرکت نہیں کرتا اسی طرح ہمارے دل بھی حرکت نہیں کرتے۔ جیسے پتھر جامد ہوتا ہے اسی طرح دل بھی پتھر کی طرح سخت بلکہ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ''پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔

یہ دلوں کے تالے کون کھولے گا؟ یہ تالے قرآن کھولے گا۔ چنانچہ فرمایا:

﴿اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهٖ خَيْرًا افْتَحَ لَهٗ قُفْلَ قَلْبِهٖ وَجَعَلَ فِيْهِ الْيَقِيْنَ﴾

''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے بارے میں خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اللہ اس کے دل کے تالے کھولے دیتے ہیں اور اس کے دل میں یقین کی نعمت کو بھر دیتے ہیں''

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾

''قرآن میں کیوں تدبر نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں''

معلوم ہوا کہ لوگ قرآن مجید کے معانی سے جتنے نا آشنا ہوتے ہیں، قرآن کی تعلیمات سے دور ہوتے ہیں۔ ان کے دلوں پر تالے لگے ہوتے ہیں۔ یہ تالے کیسے کھلیں گے؟ قرآن ان تالوں کو کھولتا ہے۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا دلنشین واقعہ:

قرآن مجید نے دلوں کے تالے کیسے کھولے؟ اسکی ایک مثال سن لیجیے:

احادیث کے اندر ایک واقعہ ہے کہ جب مدینہ منورہ کے لوگ نبی علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہمارے پاس کوئی معلم بھیجیں تو نبی علیہ السلام نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ رَجُلًا وَّاحِدًا اکیلے بندے کو...... اللہ تعالیٰ دکھانا چاہتے تھے کہ ایک کی جگہ دو ہوتے تو کہنے والے کہتے:

Two meds are batter then one.

دو بندوں نے مل کر کام چلا لیا۔ نبی علیہ السلام نے اکیلے بندے کو بھیج دیا۔

ذرا غور کیجیے کہ صاحب قرآن ابھی مکہ میں ہیں، وہ بھی ساتھ نہیں جا رہے...... ایک اکیلا بندہ...... اس کے پاس کیا ہے؟ اللہ کا قرآن ہے۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے جا کر وہاں کام کرنا شروع کیا۔ اسعد بن زرارہ ان کے میزبان تھے۔ وہ دونوں دین کی دعوت کے لیے نکلے۔ ایک تعارف کروا دیتے اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ دین کی دعوت دے دیتے اس طرح لوگوں میں دین پھیلنے لگا۔

قوم کے سردار کا نام تھا، سعد بن معاذ ان کے ایک کزن تھے۔ ان کا نام تھا، اسید بن حضیر۔ دونوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ سعد نے آپس کی گفتگو میں یہ بات کی:

قَدْ اَتَيَا دَارَيْنَا لِيَسْفَهَا ضُعَفَاءَ نَا فَانْهَرْهُمَا وَانْهَهُمَا اَنْ يَأْتِيَا دَارَيْنَا

''دو بندے آئے ہیں جو ہمارے کمزوروں کو بے وقوف بناتے پھر رہے ہیں۔ جاؤ، ان کو منع کرو اور یہاں سے نکال دو۔ انہیں کہہ دو کہ ہمارے گھروں میں مت آؤ۔''

ایک جگہ پر مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت اسید بن حضیر نیزہ لے کر ان دونوں کے پاس آئے روایت میں آیا ہے کہ

فَلَمَّا رَاٰهُ سَعْدُ بْنُ زُرَارَةَ قَالَ لِمُصْعَبٍ هٰذَا سَيِّدُ قَوْمِهٖ وَقَدْ جَاءَكَ فَاصْدُقِ اللّٰهَ فِيْهِ

''جب سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا تو مصعب بن عمیر سے کہا: یہ قوم کا سردار ہے یہ آپ کے پاس آیا ہے، اس کے سامنے اللہ کو سچا ثابت کرو''

کیا نکتے کی بات کہی! اصل میں دین کی دعوت کی بنیاد ہی یہی ہے کہ اس کو سچا سمجھنا اور لوگوں کے سامنے اس کو سچا ثابت کرنا۔ فرمایا

اَخْلِصْ لِلّٰهِ

''آپ اس کو اخلاص کے ساتھ دعوت دیجیے''

چنانچہ جب انہوں نے کہا:

قُلْ كَلِمَةَ الْحَقِّ وَلَا تَخَفْ

''آپ حق کی بات کہیں، ڈریں نہیں''

تو مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

اِنْ يَجْلِسَ اُكَلِّمُهُ

''اگر وہ آیا اور بیٹھا تو میں اس سے بات کروں گا''

چنانچہ فرماتے ہیں:

فَوَقَفَ عَلَيْهِمَا مُتَشَتِّمًا يَشْتِمُ

''وہ (اسید بن حضیر) ان دونوں کے پاس پہنچے ان کو برا بھلا کہنے لگے''

فَقَالَ: مَا جَاءَ بِكُمَا اِلَيْنَا تَسْفِهَانِ ضُعَفَاءَ نَا اِعْتَزِلَانَا

''وہ کہنے لگے: تم یہاں آئے کیوں ہو؟ تم ہمارے کمزور لوگوں کو بے وقوف بناتے ہو چلے جاؤ یہاں سے''

چنانچہ ان کے جواب میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَوْ تَجْلِسُ فَتَسْمَعُ

''میاں! بیٹھو تو سہی، کوئی ہماری بھی تو بات سن لو''

انہوں نے کہا:

اَنْصَفْتَ ''تو نے انصاف کی بات کہی''

یعنی میں تمہارا نکتہ نظر (Point of view) تو سنتا ہوں نا۔ چنانچہ

ثُمَّ رَكَزَ حِرْبَتَهُ وَجَلَسَ اِلَيْهِمَا

پھر انہوں نے نیزہ گاڑ دیا اور وہیں بیٹھ گئے''

پھر کیا ہوا؟

فَکَلَّمَہٗ مُصْعَبُ بِالْاِسْلَامِ وَقَرَأَ عَلَیْہِ الْقُرْآنَ

''مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے ان سے اسلام کی بات کی اور اسے قرآن پڑھ کر سنایا''

صحابہؓ کو یہ پکا یقین تھا کہ قرآن دلوں کے تالے کھولتا ہے، قرآن دلوں میں انقلاب پیدا کرتا ہے اور قرآن زندگیوں کو بدل کے رکھ دیتا ہے۔ چنانچہ جب انہوں نے قرآن سنایا تو اسید بن حضیر کہنے لگے: اچھا! جیسے تم بنے ہو، کیا میں بھی ایسا بن سکتا ہوں؟ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تَغْتَسِلْ فَتَطَھَّرُ وَتُطَھِّرُ ثَوْبَیْكَ ثُمَّ تَشْھَدْ شَھَادَۃَ الْحَق ثُمَّ تُصَلِّیْ

''تو غسل کر، پاک ہو جا اور اپنے کپڑوں کو بھی پاک کر لے، پھر حق کی گواہی دے اور پھر نماز پڑھ لے''

گویا انہوں نے سمجھا دیا کہ بندہ یوں مسلمان بنتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے غسل بھی کیا، کپڑے بھی پاک کیے اور پھر کلمہ پڑھ کر دو رکعت بھی پڑھیں۔

اس وقت اسید بن حضیر کہنے لگے:

اِنَّ وَرَاءِیْ رَجُلًا اِنِ اتَّبَعَکُمَا لَمْ یَتَخَلَّفْ اَحَدٌ مِنْ قَوْمِہٖ

''میرے پیچھے ایک اور بندہ بھی ہے، اگر وہ ایمان لے آیا تو اس کی قوم میں سے ایک بندہ بھی کلمہ پڑھے بغیر نہیں رہے گا''

چنانچہ اب واپس آئے۔ اب جب سعد رضی اللہ عنہ نے ان کو آتے دیکھا تو لوگوں میں بیٹھے تھے اور کہنے لگے:

اَحْلِفُ بِاللّٰہِ لَقَدْ جَاءَ کُمْ اُسَیْدٌ بِغَیْرِ الْوَجْہِ الَّذِیْ ذَھَبَ بِہٖ

''قسم کھا کے کہتا ہوں کہ جس چہرے کے ساتھ اسید گیا تھا، واپس آنے پر اس کا وہ چہرہ نہیں ہے''

یعنی اسلام نے ان کے چہرے کا نور بدل دیا۔ سعد بھی پہچان گئے کہ یہ بدلا ہوا بندہ ہے۔

بدلے بدلے میرے سرکار نظر آتے ہیں

انہوں نے اسید رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تمہیں بھیجا کس لیے تھا؟ اور بدلے ہوئے نظر آتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ میں نے تو منع کیا، آپ خود جا کے منع کر لو۔ کہنے لگے: اچھا! اگر میری ہی بات کرتے ہو تو میں ذرا جاتا ہوں۔

چنانچہ سعد رضی اللہ عنہ ان دونوں کے پاس آئے اور اپنے کزن سے کہا:

يَا اَبَا اُمَامَةَ لَوْلَا مَا بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ مِنَ الْقَرَابَةَ مَا رَمْتُ هٰذَا مِنِّيْ

''اے ابوامامہ! اگر میرے اور تیرے درمیان رشتہ داری کا تعلق نہ ہوتا تو میں نمٹ لیتا''

اَتَغْشَانَا فِيْ دَارِنَا بِمَا نَكْرَهُ

''جو چیز ہم پسند نہیں کرتے، ہمارے گھروں میں وہ چیز پھیلاتے پھر رہے ہو''

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے سعید رضی اللہ عنہ سے کہا:

بھئی! بیٹھو تو سہی، بات تو سنو، چنانچہ وہ بیٹھ گئے۔ اب اس بات کے جواب میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے کیا فرمایا:

قَرَأَ عَلَيْهِ الْقُرْآنَ اَوَائِلَ سُوْرَةِ الزُّخْرُفِ

''ان کے سامنے قرآن پڑھا، سورۃ زخرف کی ابتدائی آیات سے''

چنانچہ جب قرآن پڑھا تو سعد کہنے لگے: اچھا جیسے تم بنے ہو، میں بھی ایسا بننا چاہتا ہوں"

اللہ اکبر! اللہ یہ دکھانا چاہتے تھے کہ دیکھو! میرے حبیب ﷺ تو یہ پیغام لے کر آئے ہیں، جب یہ چلے جائیں گے تو تم یہ نہیں کہہ سکو گے کہ اب کیا کریں، ہم پہلے ہی دکھا دیتے ہیں کہ میرے حبیب ﷺ ابھی نہیں پہنچے۔ ایک مومن قرآن لے کر پہنچا اور اس قرآن نے مدینے والوں کی زندگیوں کو بدل کے رکھ دیا۔ لہٰذا اے ایمان والو! تم جہاں بھی قرآن لے کر جاؤ گے، قرآن دلوں کے تالوں کو کھول کے رکھ دے گا۔

سعد رضی اللہ عنہ کلمہ پڑھ کر واپس اپنے قبیلے میں آئے۔ قوم کو جمع کیا اور فرمایا:

كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ اَمْرِىْ فِيْكُمْ ؟

"میری کارکردگی کے بارے میں آپ لوگوں کی کیا رائے ہے"

سب نے کہا:

سَيِّدُنَاوَاَفْضَلُنَارَأْيًاوَاَعْيَنُنَانَقِيْبَةً

"آپ ہمارے سردار ہیں اور سب سے اعلیٰ رائے والے"

اب سنیے کہ اس پر انہوں نے کیا کہا:

فَاِنَّ كَلَامَ رِجَالِكُمْ وَنِسَائِكُمْ عَلَيَّ حَرَامٌ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

"قوم کے مردوں اور عورتوں کی گفتگو میرے ساتھ حرام ہے، جب تک کہ تم سب ایمان والے نہ ہو جاؤ"

اس کے بعد قسم کھا کے فرمایا:

وَاللّٰهِ لَااُكَلِّمُ اَحَدًافِيْكُمْ حَتّٰى تُؤْمِنُوْابِاللّٰهِ وَرَسُوْلِه

''اللہ کی قسم! میں اس وقت تک تم میں سے کسی کے ساتھ کلام نہیں کروں گا جب تک تم سب ایمان والے نہ بن جاؤ''

ان کی یہ بات پوری قوم نے مانی اور بالآخر ایک ہی دن میں وہ ساری قوم مسلمان ہوگئی۔''

فرماتے ہیں:

فَوَاللّٰهِ مَاۤ اَمْسٰی فِی دَارِ بَنِیْ عَبْدِالْاَشْهَلِ رَجُلٌ وَّلَا امْرَاَةٌ اِلَّا مُسْلِمًا وَّ مُسْلِمَةً

''اللہ کی قسم! قبیلہ عبدالاشہل میں کوئی مرد درت ایسا نہ تھا جو مسلمان نہ بن چکا ہو''

یہ زندگیاں کیسے بدلیں؟ آج لوگ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے ذریعے پھیلا۔ جبکہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں۔

فُتِحَتِ الْمَدِیْنَةُ بِالْاَخْلَاقِ

''مدینہ تو اخلاق کے ذریعے فتح ہوا تھا''

تو قرآن نے دلوں کو بدل کے رکھ دیا۔ قرآن مجید کے اندر جو مقناطیسیت اس وقت تھی، آج بھی وہی ہے۔ قرآن کی تاثیر دیکھ کر کافر کہتے تھے:

اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ

جو قسمیں کھاتے تھے کہ کبھی مسلمان نہیں ہوں گے، وہ بھی جب قرآن سنتے تھے تو ان کے دلوں کی حالت بدل جاتی تھی۔

یاد رکھیں ہماری تنزلی اور ذلت کی بنیادی وجہ قرآن مجید سے دوری ہے۔ اس کو سیکھنے میں کمی، سمجھنے میں کمی، اور اس پر عمل کرنے میں کمی ہے۔ اللہ بھلا کرے ان لوگوں کا جو

رمضان شریف میں درسِ قرآن دیتے ہیں، دورہ قرآن کرواتے ہیں اور امت کے لوگوں (مردوں اور عورتوں) کو قرآن سے آشنا کرتے ہیں، دل سے ان کے لیے دعائیں نکلتی ہیں۔ وہی قرآن مجید آج بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ اس روح کو اپنے دل میں پیدا کرنا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب نجاشی کے دربار میں گئے تو وہاں کیا ہوا تھا؟ ایک صحابیؓ نے قرآن پڑھ کر سنایا اور اللہ نے نجاشی کے دل کو بدل کر رکھ دیا۔

یہ مثالیں بتا رہی ہیں کہ قرآن دلوں کو بدلتا ہے۔

نور بھرے دل کی عظمت:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ﴾

''اور وہ جو مردہ تھا، ہم نے اسے زندہ کیا، اور ہم نے اسے نور عطا کیا، اس نور کے ساتھ انسانوں کے اندر جا کر وہ دین کا کام کرتا ہے''

اب اگر اپنے ہی دل میں نور نہیں تو پھر سوچیں کہ دعوت کا اثر لوگوں پر کیا ہوگا؟

قرآن مجید کو حرز جان بنالیں:

یہ قرآن مجید نسخہ شفا ہے۔ دین کا کام کرنے والے قرآن مجید کو حرزِ جان بنائیں اور اسے اپنے سینے سے لگائیں اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ﴾

اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اے یحییٰ! اپنے ہاتھ میں کتاب مضبوطی سے پکڑ لو۔ بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ اس کی تعلیمات کے مطابق عمل کو پکا کر لو۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بھی اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہیں:

﴿يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ﴾

کہ اے نفس! تم بھی اللہ کے قرآن کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ اس کی آیتوں پہ ڈیرے ڈال دو۔ تم عملی جامہ پہنا دو۔

...... یہ صداقتوں کا مجموعہ ہے۔

...... یہ سچائیوں سے بھری ہوئی کتاب (Ultimate realities of the universe)

...... یہ دلوں کی بیماریوں کو شفا دینے والا نسخہ ہے۔:

وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ...... فَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ...... وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ...... فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ...... وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ...... قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ

ایک آیت میں پورا تصوف:

ایک آیت کے اندر اللہ رب العزت نے مقصد زندگی کو کھولا۔ لوگ کہتے ہیں: جی! تصوف کہاں سے آیا؟ وہ بیچارے یا تو جاہل ہوتے ہیں یا متجاہل ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾

روح المعانی میں اس کی تفصیل موجود ہے جو چاہے اس میں سے پڑھ لے۔ اس ایک آیت کے اندر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ قرآن

...... موعظۃ ہے۔ اس سے مراد شریعت ہے۔

...... شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ' مومنوں کی بیماریوں کو شفا دینے والا ہے

......وھدی اس سے مراد حقیقت ہے۔

......وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ اس سے مراد خلافت ہے۔

اللہ رب العزت نے ایک ہی آیت میں ترتیب کے ساتھ چاروں مدارج گنوا کر رکھ دیے۔ کہ تم پہلے شریعت پر عمل کرو گے۔ حلال کو حلال سمجھو، حرام کو حرام۔ پھر تمہیں باطن منور کرنے کے لیے طریقت کی ضرورت پڑے گی۔ پھر طریقت کو حاصل کرنے کے بعد معرفت میں اور آگے بڑھو گے تو ہدایت ملے گی۔ پھر تم اللہ کا خلیفہ بن کر دنیا میں رہو گے یہ تمہارے لیے اللہ کی رحمت ہو گی۔ قرآن مجید نے اس بات کو کھول کے رکھ دیا ہے۔

تعلیمات قرآنی کو عام کرنے کی ضرورت:

آج اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم قرآن مجید کی تعلیمات کو مضبوطی سے پکڑ لیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَلَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتَابِ﴾

''وہ لوگ جو کتاب کو مضبوطی سے تھام لیتے ہیں''

جیسے رسی ٹوٹ رہی ہو تو انسان اسے دانتوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیتا ہے۔ اللہ کی اس رسی کو ہم دانتوں سے پکڑ لیں، اس کو تمسک بالکتاب کہتے ہیں۔

پھر فرمایا:

وَاَقَامُو الصَّلٰوةَ

اور نماز قائم کرتے ہیں۔

پھر فرمایا:

اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ

ہم ایسے مصلحین کے اجر کو کبھی ضائع نہیں ہونے دیتے''

قرآن مجید میں میرے اللہ کے یہ وعدے ہیں۔ اس لیے آج قرآن مجید کی تعلیمات کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔

قرآن مجید کے طالب علم کی عظمت:

یہ دین پڑھنے والے طلبا کتنے خوش نصیب ہیں کہ وہ اللہ کا قرآن پڑھتے ہیں۔ سبحان اللہ...... بات ذرا غور سے سنیے گا۔

......اللہ نے کسی کے سامنے اینٹ رکھ دی۔ وہ سارا دن اینٹ کو جوڑتا ہے، ہم اسے مستری کہتے ہیں۔ اس کے لیے یہی ذریعہ روزگار ہے اور اس پر اس کی زندگی گزرتی ہے۔

......اللہ نے کسی کے سامنے کپڑا رکھ دیا۔ سارا دن کپڑے کو کاٹتا اور جوڑتا ہے۔ ہم اسے درزی کہتے ہیں۔ یہی اس کی زندگی کا پیشہ ہے اور اسی میں اس کی زندگی گزر جاتی ہے۔

......اللہ نے کسی کے آگے لکڑی رکھ دی۔ وہ سارا دن لکڑی کو کاٹتا جوڑتا ہے اور فرنیچر بناتا ہے، ہم اسے کارپینٹر کہتے ہیں۔ اسی کام میں اس کی زندگی گزر جاتی ہے۔

......کسی کے سامنے اللہ نے لوہے کو رکھ دیا۔ وہ سارا دن لوہے کے پرزے کھولتا اور جوڑتا ہے، ہم اسے مکینک کہتے ہیں۔ اس کام میں اس کی زندگی گزر جاتی ہے۔

اللہ نے کسی کے سامنے کچھ رکھا اور کسی کے سامنے کچھ رکھا۔ اب ذرا سوچیے کہ اللہ نے

......کسی کے سامنے لوہا رکھا

......کسی کے سامنے اللہ نے پتھر رکھا

......کسی کے سامنے اینٹ رکھی

......کسی کے سامنے کپڑا رکھا

......کسی کے سامنے لکڑی رکھی، لیکن

......وہ کتنا خوش نصیب انسان ہے جس کی جھولی میں اللہ نے اپنے قرآن کو رکھا۔ وہ صبح سے لے کر شام تک اللہ کے قرآن کو پڑھتا ہے اور پھر قرآن کو سیکھتا ہے۔ میں سلام کرتا ہوں اس کی عظمت کو، یہ اللہ کا چنا ہوا بندہ ہے۔ جس کو اللہ نے اپنے کلام کے لیے چن لیا ہے۔

قرآن مجید کو دلوں میں اتار لیجیے:

بس اتنی سی بات ہے کہ یہ زبان تک ہی نہ رہے، بلکہ اب یہ زبان سے آگے بڑھ کر دل تک اتر جائے۔ جب قرآن دل میں اتر جائے گا تو پھر یہ زندگی کو بدل کر رکھ دے گا۔ غلام عالم کو اللہ تعالیٰ امام عالم بنا دیں گے۔ ہم اگر چاہتے ہیں کہ زندگیوں میں عزتیں آ جائیں تو قرآن کے سوا ہمارا کوئی حل نہیں۔ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا﴾

''اللہ اس کتاب کے ذریعے قوموں کو بلندی عطا فرما دیتے ہیں''

اگر ایک فرد عمل کرے گا تو فرد عزت پائے گا اور اگر قومیں عمل کریں گی تو اللہ تعالیٰ قوموں کو بلندی عطا فرمائیں گے۔

تیرے ہاتھ میں ہو قرآن
اور تو دنیا میں رہے پریشان
تیرے ہاتھ میں ہو قرآن
اور تو دنیا میں رہے ناکام
تیرے ہاتھ میں ہو قرآن
اور تو دنیا میں رہے غلام

غلامی نفس کی ہو، شیطان کی ہو، یا کسی انسان کی ہو

ناں ناں ناں!

ہمیں کہتا ہے یہ قرآن

او میرے ماننے والے مسلمان!

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ

تو پڑھ قرآن

تیرا رب کرے گا تیرا اکرام

تیرا رب تجھے عزت و وقار دے گا

تیرے ظاہر و باطن کو نکھار دے گا

آج قرآن مجید کو پڑھنے کا ارادہ کر لیجیے۔ اس کی تعلیمات کے مطابق زندگیوں کو بدلنے کا ارادہ کر لیجیے۔ اپنے دلوں میں اس روح کو ڈال لیجیے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا

اگر یہ روح زندگیوں میں آ گئی تو ہم ایک زندہ انسان بن جائیں گے۔ ہم ایک زندہ قوم بن جائیں گے۔ اور زندہ قوموں کو کوئی بھی میلی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ میلی نظر سے دیکھتے ہیں، مردوں کو۔ کہ ان کو روئے زمین سے زیر زمین پہنچا دو۔ مردے جو ہیں سارے۔ آج زندہ بننے کے لیے ہمیں قرآن سے منسلک ہونے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ آج ہم اپنی زندگیوں میں تبدیلی پیدا کرنے کے ارادے کر لیں کہ میرے مولا! عمر گزر رہی جا رہی ہے، ہم ارادے کرتے ہیں کہ اپنی زندگیوں کو اس کی تعلیمات کے مطابق بنائیں گے اور اپنے دلوں میں اس روح کو پیدا کریں گے۔

تھکے ہوئے بندوں کی فریاد:

ہمارا حال وہی ہے کہ بچہ تھک جاتا ہے تو وہ ماں سے آ کر روتے ہوئے کہتا ہے امی! اب میں تھک گیا ہوں، مجھے گود میں لے لو۔ ہم بھی بحیثیت قوم اب تھک گئے ہیں، اب ہم اپنے شفیق پروردگار سے یہی عرض کریں: اللہ! اب آپ ہمیں اپنی رحمت کی گود میں لے لیجیے۔ اللہ! ہم ایک قدم آگے بڑھتے ہیں اور دس قدم پیچھے ہٹ جاتے ہیں، صبح کے وقت توبہ کرتے ہیں اور شام سے پہلے اس توبہ کو ٹوٹتے دیکھ لیتے ہیں۔ میرے مولا! ہمیں سنبھال لیجیے۔ ہمیں شریعت کے اوپر جما دیجیے۔ اے میرے مولا! کب تک دھکے کھاتے پھریں گے، کب تک کشکول پکڑے پھریں گے، کب تک لوگوں کے سامنے بھیک مانگیں گے، اپنے در کا بھکاری بنا لیجیے۔ اللہ! آپ نے تو قرآن بھیج کر اپنی رحمتوں کی انتہا کر دی، ہم ہی غافل بنے رہے۔ اللہ! ہماری زندگیوں میں قرآن کی محبت کو واپس لوٹا دیجیے۔ ہم بھی اپنے گھروں میں وہ منظر دیکھیں کہ رات کا وقت ہو، ماں مصلے پر بیٹھی رو رہی ہو، معصوم بچے کی آنکھ کھلے، پوچھے: امی! کیوں رو رہی ہیں؟ ماں کہے: بچہ! تم چھوٹے ہو، سو جاؤ، بچہ کہے: امی! نیند نہیں آتی، ماں جواب دے: بیٹا! قرآن پڑھا ہے، میری آنکھ میں آنسو ہیں، میں اپنے اللہ کے ساتھ تار جوڑ کر بیٹھی ہوں، تمہاری آنکھ تو کھل ہی گئی۔ بیٹا میں دعا کرتی ہوں، تم معصوم زبان سے آمین کہہ دینا، اللہ میری دعاؤں کو قبول فرما لے۔

اللہ ہمیں ایسی زندگی عطا فرمائے کہ ہمارے گھروں میں قرآن مجید کی ایسی محبت عطا فرمائے اور اللہ رب العزت ہمیں اپنی رضا عطا فرما کر دنیا و آخرت کی عزتیں عطا فرما دے۔ (آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ○

مسجد نبوی کا پرکیف منظر

از افادات

حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

مسجد نبوی کا پرکیف منظر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا○

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

محبوب کل جہاں کا مقام محبوبیت:

اس مبارک دیس کو بسانے والے، اس کو شان دلانے والے حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کی شان بہت بلند ہے۔ آپ ﷺ امام الانبیاء، امام الملائکہ اور محبوب کل جہاں تھے۔ یاد رکھیے کہ ان کی نبوت کو ڈوبتے سورج نے پلٹ کر مانا، چاند نے دو ٹکڑے ہو کر مانا، زمین نے زلزلے روک کر مانا، پتھروں نے کلمہ پڑھ کر مانا، نباتات

نے رورو کر مانا، حیوانات نے گردنیں کٹوا کر مانا، انسانوں اور جنوں نے کلمہ پڑھ کر مانا، اور جن کافروں نے اپنی زبان سے نہ مانا انہوں نے اپنے دل سے مانا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ﴾

''یہ میرے محبوب ﷺ کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹے کو پہچانتے ہیں''

مسجد نبوی کی فضیلت:

اس شام ہمیں نبی علیہ السلام کی مسجد میں آ کر نمازوں کی توفیق ہو رہی ہے۔ یہ اللہ رب العزت کا بڑا اکرام اور بڑا احسان ہے۔ اس مسجد میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب دس ہزار نمازوں کے ثواب کے برابر ہے۔ اسلام یہیں سے پھیلا۔

مسجد نبوی کی توسیع:

دور نبوی میں مسجد بہت ہی چھوٹی تھی۔ چھت اتنی نیچے تھی کہ سرکنڈے بسا اوقات سر کے ساتھ ٹکراتے تھے۔ بارش آتی تو پانی اندر آ جاتا اور نیچے کیچڑ بن جاتا تھا۔

حضور ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا صدیق اکبرؓ سے گزارش کی کہ اس مسجد کو بڑھا دیا جائے۔ اس میں توسیع کر دی جائے۔ وہ عاشق رسول تھے وہ ہر چیز کو اسی طرح دیکھنا پسند کرتے تھے جیسا کہ وہ حضور ﷺ کے دور میں تھی۔ وہ فرمانے لگے میں کیسے اس مسجد کو بدلوں۔ چنانچہ انہوں نے توسیع نہ کی۔

بالآخر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس میں کافی توسیع کی گئی اور پہلی مرتبہ مسجد نبوی میں لوہے کا استعمال کیا گیا۔ پھر مسجد میں توسیع ہوتی رہی۔ حتی کہ خلافت عثمانی کے دوران اس میں کافی توسیع ہوئی جسے آج ترکیہ کا حرم کہتے ہیں۔ جو مسجد کے اندرونی حصے میں آج بھی نظر آتا ہے۔ اگر آپ اس میں غور کریں تو اس میں آرچیں بنی ہوئی

ہیں۔آرچیں بنانے کا انتظام اتنا مضبوط ہے کہ یہ ہزار سال سے بھی زیادہ تک اپنا وزن برداشت کر سکتی ہے۔

حالانکہ آج کل کنکریٹ کے ساتھ چھت ڈالی جاتی ہے تو اس کی عمر عام طور پر سو سال سے کم ہوتی ہے۔سو سال کے بعد سیمنٹ اپنا اثر چھوڑ دیتا ہے۔تو جب سیمنٹ میں ہی طاقت نہ رہی تو پیچھے کیا رہے گا؟ لہٰذا سو سال کے بعد سیمنٹ کی عمارتیں گرنی شروع ہو جاتی ہیں۔لیکن اس کو ایسے بنایا گیا کہ آرچیں بنائی گئیں۔اور آرچ ایسی ہے کہ مٹی کے ساتھ بھی اگر اس کو چن دیا جائے تو پانچ سو سال تک کھڑی رہتی ہے۔اگر آپ غور کریں تو ترکیہ کا بنا ہوا جتنا بھی حرم ہے وہ ساری کی ساری چھت آرچز کے ذریعے سے بنی ہوئی ہے اور بہت ہی زیادہ مضبوط ہے۔

پھر اس کے بعد تیس، چالیس سال پہلے اس میں توسیع کا عمل شروع ہوا اور آج الحمد للہ حرم مدنی میں بہت زیادہ توسیع کر دی گئی ہے۔اس میں ائیر کنڈیشن سسٹم بھی لگا دیا گیا، سہولیات بھی ہو گئیں، لائٹنگ بھی ہے۔ الحمد للہ! ہم کمزوروں کے لیے اللہ رب العزت نے سہولت کے ساتھ وقت گزارنے میں آسانیاں کر دیں۔

مسجد نبوی میں ائمہ اربعہ کے نام:

اگر حرم میں اندر جائیں جہاں چھتریاں لگی ہوئی ہیں وہاں اگر دیکھیں تو ائمہ اربعہ کے نام لکھے ہوئے نظر آتے ہیں۔یعنی چاروں اماموں کے نام:

(۱) امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

(۳) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (۴) اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

اور یہ وہ دیوار ہے جو عبد العزیز کے زمانے میں بنی۔اس سے معلوم ہوتا ہے مقامی حکومت کے نزدیک بھی ائمہ اربعہ کی تقلید ایک ضروری عمل ہے۔اس لیے تو انہوں نے مسجد

نبوی کے اندر نام لکھوائے۔

دین اسلام کا سب سے پہلا مدرسہ:

جب ترکیہ کے حرم میں جاتے ہیں تو وہاں پر بھی ایک اونچا سا چبوترہ بنا ہوا ہے اس کو صفہ کہتے ہیں۔ یہ نبی علیہ السلام کے زمانے کی بیٹھک تھی۔ مسجد میں عبادت کی جاتی اور یہاں پر مجلس لگائی جاتی تھی۔ یہاں پر فقراء جو اپنے گھروں کو اللہ کے لیے چھوڑ کر آ گئے تھے۔ جن کی تعداد کم وبیش ۷۰ کے قریب تھی وہ یہاں پر رہتے تھے۔

یوں سمجھئے کہ یہ دین اسلام کا سب سے پہلا مدرسہ تھا اور اس مدرسہ کے مہتمم جناب رسول اللہ ﷺ تھے...... جو فقراء یہاں رہتے تھے ان کو کچھ مل جاتا تو کھا لیتے تھے نہ ملتا تو فاقے پہ گزارا ہوتا تھا۔ کئی کئی دن فاقے کے ساتھ گزارے جاتے۔

برکات نبوی کا مشاہدہ:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے بڑی بھوک لگی۔ اتنی بھوک لگی کہ میں مسجد نبوی کے دروازے میں بیٹھ گیا عشاء کے بعد تا کہ جو لوگ باہر نکلیں گے ان میں سے کوئی تو ایسا ہوگا جو مجھے بھی کھانے کی دعوت دے گا۔

فرماتے ہیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ گئے انہوں نے دعوت نہ دی۔ میں نے دل میں سوچا کہ شاید ان کے گھر میں بھی فاقہ ہوگا۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ انہوں نے بھی دعوت نہ دی۔ میں نے سوچا کہ ان کے گھر بھی فاقہ ہوگا۔ بالآخر نبی علیہ السلام تشریف لائے آپ نے فرمایا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! آؤ میرے ساتھ چلو۔

چنانچہ وہ مجھے لے کر اپنے گھر میں تشریف لے گئے اور وہاں پیغام بھجوایا کہ کچھ کھانے کے لیے ہے تو وہ بھیج دیں۔ گھر میں ایک پیالہ دودھ تھا وہ زوجہ محترمہ نے بھجوا دیا۔

فرماتے ہیں کہ مجھے دیکھ کر تسلی ہوئی کہ چلو کچھ تو پینے کو مل جائے گا۔ لیکن جب دودھ

کا پیالہ آیا تو نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ابوہریرہ! جاؤ اور اصحاب صفہ کو بلا لاؤ۔اب اصحاب صفہ ستر کے قریب تھے اور پیالہ ایک تھا۔فرماتے ہیں میں بڑا حیران ہوا اور یہ سوچتا کہ اگر وہ آ گئے تو نبی علیہ السلام نے مجھے بلانے کے لیے بھیجا ہے تو پلانے کا حکم بھی مجھے فرمائیں گے۔اور پلانے والے کا نمبر تو ویسے ہی آخر پہ آتا ہے۔

چنانچہ سب اصحاب صفہ آ گئے اور مجھے حکم ملا کہ پلاؤ۔ چنانچہ میں نے پلانا شروع کر دیا۔سب پیتے گئے اور جی بھر کر پیتے گئے، سیراب ہوتے گئے۔حتی کہ سب نے پیا اور دودھ ویسے کا ویسے نظر آتا تھا۔

فرماتے ہیں نبی علیہ السلام نے فرمایا: ابوہریرہ! تم پیو۔فرماتے ہیں میں نے اتنا پیا جتنی مجھے طلب تھی۔ نبی علیہ السلام مجھے دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا ابوہریرہ! اور پیو۔ میں نے اور پیا۔ دودھ ابھی ویسے ہی تھا۔فرماتے ہیں نبی علیہ السلام نے پھر مسکرا کر فرمایا ابوہریرہ! اور پیو۔ میں نے اور پیا حتی کہ میں نے جی بھر کر پیا اور عرض کی۔اے اللہ کے محبوب ﷺ! اب میرے پیٹ میں جگہ نہیں ہے۔ نبی علیہ السلام نے اس پیالے کو نوش فرمایا پھر دودھ ختم ہوا۔یوں برکتوں کا نزول صحابہ کرامؓ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔

اصحاب صفہ کا لباس:

غربت کا یہ عالم تھا کہ وہ کہتے ہیں ہم بسا اوقات کپڑے پھٹے ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے پیچھے چھپ کے بیٹھتے کہ کہیں ہمارے پھٹے ہوئے کپڑے پر نبی علیہ السلام کی نظریں نہ پڑ جائیں۔جب بھی نبی علیہ السلام پہ کوئی وحی اترتی تو یہ اس کو سیکھتے تھے۔سارا دن اللہ کی یاد میں دین سیکھنے میں لگے رہتے تھے۔

اصحاب صفہ کا مقام:

اللہ رب العزت نے ان کو یہ شان عطا فرمائی کہ قرآن مجید کی آیت اتری:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ (سورۃ کہف)

سبحان اللہ! نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے میری امت میں ایسے بندے پیدا کیے۔جن کے پاس بیٹھنے کا مجھے بھی حکم دیا گیا۔اس سے آپ اصحاب صفہ کے مقام کا اندازہ لگا لیجیے۔

باقی صحابہ جو دن میں کاموں میں مشغول رہتے تھے وہ آتے اور ان سے (اصحاب صفہ سے) آکر پوچھ لیتے تھے کہ آج نبی علیہ السلام نے کیا سکھایا؟ اور وہ بھی اس کو سیکھ لیا کرتے تھے۔

بکریاں چرانے والے صحابیؓ کی محبت:

اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ ایک صحابی آئے جو بکریاں چراتے تھے اور انہوں نے آکر پوچھا کوئی نئی آیت اتری ہو۔تو ان کو بتایا گیا کہ قرآن کی ایک آیت اتری ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے قسم کھا کر فرمایا ''میں ہی ان کو رزق دیتا ہوں'' جب انہوں نے یہ بتایا تو وہ غصے میں آگئے اور کہنے لگے: وہ کون ہے جس کو یقین دلانے کے لیے میرے اللہ کو قسم کھانی پڑگئی۔اندازہ لگائیے کہ ان کا اللہ رب العزت کے ساتھ کیسا تعلق تھا۔

صفہ پر طلب علم کی دعا:

آج بھی وہ چبوترہ موجود ہے اور وہاں دو رکعت نفل پڑھ کر دعائیں مانگتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی دین سیکھنے والا طالب علم بنا دے۔اور قیامت کے دن ان فقراء کے ساتھ ہمارا حشر فرمائے۔

نبی علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی:

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاحْشُرْنِيْ فِيْ

زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنَ

اس حدیث پاک میں تین مرتبہ مسکینوں کا نام آیا۔ ''اے اللہ! مسکینوں میں زندہ رکھنا، اسی مسکنت میں موت عطا فرما اور قیامت کے دن انہی مسکینوں میں مجھے کھڑا فرما دینا''

ریاض الجنۃ:

ایک اور جگہ ہے نبی علیہ السلام کے حجرے اور منبر کے درمیان کی جگہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((مَابَيْنَ بَيْتِىْ وَ مِنْبَرِىْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ))

''میرے گھر اور منبر کے درمیان جو بھی جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے''

اس لیے روضۃ الجنۃ آج بھی موجود ہے۔وہاں پر مسجد میں ایک سبز قالین بچھا دیا گیا ہے۔لہٰذا اس کو عام بندہ بھی پہچان سکتا ہے۔

دورِ نبوی اور دورِ صحابہ کی مسجد کے پھول:

مسجد کے ستونوں کے اوپر کورڈ یفکیشن کر دی گئی ہے۔ جو دورِ نبوت کی مسجد تھی اس کے پھول اور طرح کے ہیں۔ جو دورِ صحابہ کی تھی اس کے پھول اور طرح کے ہیں اور اس کے بعد جو توسیع ہوئی اس کے ستون اور طرح کے ہیں۔

مسجد نبوی کے ستون

کچھ ستون ایسے ہیں جو بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ جن کا تذکرہ مختلف احادیث میں آیا ہے۔

①......استوانہ حنانہ:

ایک تو منبر کے قریب ستون ہے۔ شروع میں یہاں کھجور کا ایک درخت ہوتا تھا اور جب نبی علیہ السلام جمعے کا خطبہ دینے لگتے تھے تو اس کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے۔

جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو انہوں نے منبر پیش کر دیا۔ نبی علیہ السلام جب خطبہ دینے کے لیے اس پر چڑھے تو صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ ہمیں رونے کی آواز آئی۔ تو نبی علیہ السلام منبر سے نیچے اترے اور تنے کے پاس گئے اور اس پر ہاتھ مبارک رکھا تو وہ تنا اس طرح چپ ہوا جس طرح چھوٹا بچہ سسکیاں لے لے کر رونے سے چپ ہوا کرتا ہے۔ وہ اس لیے رو رہا تھا کہ اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اب منبر بن گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پہ خطبہ دیں گے اور مجھے آپ کی جدائی برداشت کرنی پڑے گی۔

ہم سے تو وہ کھجور کا تنا ہی اچھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں رو پڑا تھا۔ اس جگہ پر ایک ستون بنایا گیا ہے جس کو استوانہ مخلقہ کہتے ہیں ویسے لوگ استوانہ حنانہ بھی کہہ دیتے ہیں۔

②......استوانہ عائشہ:

ایک اور بھی استوانہ ہے جس کو استوانہ عائشہ کہتے ہیں۔ عورتوں کے لیے جو جگہ بنائی جاتی ہے اس سے اگلا ستون یعنی جو مردوں کی طرف ستون ہے اس پر استوانہ عائشہ کا نشان لگا ہوا ہے۔ با قاعدہ لکھا ہوا ہے استوانہ عائشہ۔

دراصل مسجد نبوی کا یہ ستون ایسی جگہ پر ہے جہاں نبی علیہ السلام نے قریباً اٹھارہ دن نمازوں کی امامت کروائی۔ ویسے جب عام طور پر مسجد میں بیٹھتے تھے مجلس لگاتے تھے تو اسی ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھتے تھے۔

اس کے بارے میں عبداللہ ابن زبیر کو ایک مرتبہ خالہ (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ

عنہا) نے فرمایا کہ میں ایک ایسی جگہ جانتی ہوں اگر میں اس کی قبولیت دعا کے متعلق بتادوں تو تم لوگ آپس میں جھگڑا کرنے لگو وہاں جا کر نماز پڑھنے کے لیے۔ چنانچہ جب ایک اور صحابی سے انہوں نے پوچھا تو انہوں نے منع کر دیا۔ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ ٹھہر گئے پھر وہ کہنے لگے کہ خالہ مجھے بتادیجیے۔ چونکہ خالہ ماں ہوتی ہے تو آپ نے محبت کی وجہ سے ان کو بتادیا تو انہوں نے آکر وہاں دو نفل پڑھے اور یوں امت کو پتہ چل گیا وہ قبولیت دعا کی جگہ ہے۔ مردوں کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہاں جا کر دو رکعت نفل پڑھ کر اپنی عاجزی اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔ یقیناً ہماری دعائیں قبول ہونگی کہ قبولیت دعا کی جگہ ہے۔

عورتیں وہاں تو نہیں جاسکتیں کیونکہ آگے دیوار ہے مگر اس کے سیدھ میں نفل پڑھ کر اگر دعا مانگ لیں گی تو اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو بھی شرف قبولیت عطا فرمادیں گے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے حجر اسود کو بوسہ دینا سنت ہے۔ لیکن اگر بندہ دور ہو بوسہ نہ دے سکے تو اس کے لیے استلام ہے کہ اشارہ کرے۔ تو اسکا یہ استلام بھی بوسہ دینے میں شمار کرلیا جائے گا۔ تو اسی پر قیاس کرتے ہیں۔

ہم تو مقلد لوگ ہیں قیاس کو مانتے ہیں۔ تو اس لیے اگر عورتیں بھی اس سیدھ میں نماز پڑھ لیں گی اور دعا مانگیں گی تو انشاءاللہ قبول ہوگی۔ فضیلت نصیب ہو جائے گی۔

۳...... استوانہ ابی لبابہ:

اس استوانہ عائشہ کی بائیں طرف ایک اور ستون ہے جس کے اوپر استوانہ لبابہ لکھا ہوا ہے۔ اسے استوانہ توبہ بھی کہتے ہیں۔

حضرت ابولبابہؓ ایک صحابی تھے۔ ان کو نبی علیہ السلام نے بنی قریضہ کی طرف بھیجا تھا۔ یہودیوں نے بدعہدی کی تھی اور نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا تم ذرا جا کر ان کے تاثرات معلوم کرو۔ چونکہ ان کے ساتھ حضرت کا تجارتی تعلق رہتا تھا۔

یہودی ایسے چالاک تھے کہ جب یہ آئے تو انہوں نے ان کی منتیں کیں، واسطے دیے اور کہنا شروع کر دیا کہ جی بتائیں ہمارے ساتھ ہوگا کیا؟ ابولبابہ کو نبی علیہ السلام نے منع کر دیا تھا کہ نہ بتانا تو انہوں نے بتایا نہیں لیکن جب ان کی مرد وعورتوں نے منتیں کیں اور واسطے دیے تو ان کا دل نرم ہو گیا۔ انہوں نے ہاتھ کا اشارہ کیا جس سے پتہ چلتا تھا کہ تمہارے نوجوانوں کو قتل کیا جائے گا اور باقیوں کو معاف کر دیا جائے گا۔ اب اشارہ تو وہ کر گئے اور زبان سے کہا بھی کچھ نہیں۔ بعد میں احساس ہوا کہ میں نے مقصد تو پہنچا دیا اگرچہ زبان سے کچھ نہیں بولا۔ پھر انہوں نے اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے خود کو اس ستون سے باندھ لیا کہ جب تک مجھے نبی علیہ السلام نہیں کھولیں گے اس وقت تک میں آزاد نہیں ہوں گا۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا چونکہ انہوں نے خود اپنے آپ کو باندھا۔ اب جب تک اللہ تعالیٰ میرے اوپر القاء نہیں فرمائیں گے میں نہیں کھولوں گا۔ چنانچہ کافی دیر وہ اسی طرح بندھے رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کر لی۔ ان کی توبہ کی قبولیت کی وجہ سے اس کو استوانہ توبہ کہتے ہیں۔ اگر موقع ملے تو بندہ وہاں دو رکعت نفل پڑھ کر اپنے گناہوں سے توبہ کرے۔ اے اللہ! آپ نے یہاں اپنے ایک مقبول بندے کی توبہ قبول فرمائی تھی ہم بھی ان کا نام لینے والے ہیں اللہ ان کے صدقے ہماری توبہ کو قبول فرمالیجیے۔

④......استوانہ سریر:

استوانہ لبابہ کے آگے استوانہ سریر ہے۔ جو حجرہ مبارکہ کی دیوار ہے۔ یہ اس کے اندر آ گیا ہے مگر اس پر لکھائی نظر آتی ہے۔ سریر چارپائی کو کہتے ہیں۔ نبی علیہ السلام یہاں اعتکاف کی حالت میں آرام فرمایا کرتے تھے یہی وہ جگہ تھی جہاں سیدہ عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ نبی علیہ السلام یہاں اعتکاف کی حالت میں ہوتے تھے تو آپ کھڑکی سے سر مبارک باہر نکال دیتے تھے اور میں آپ ﷺ کے سر مبارک کو (بالوں کو) دھودیا کرتی تھی۔

۵......استوانہ حرس:

اس کے قریب ہی ایک اور استوانہ حرس ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں بیٹھ کر پہرہ دیا کرتے تھے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی کافر بد بخت آ کر نبی علیہ السلام کو تکلیف پہنچائے۔

۶......استوانہ وفود:

اس کے قریب ہی ایک استوانہ وفود ہے۔ یہ استوانہ وفود عورتوں کی سائیڈ پر ہے اور نظر بھی آتا ہے۔ استوانہ حرس کے ساتھ کپڑے کی دیوار شروع ہوتی ہے۔ اگر عورتوں نے پہچان کرنی ہو تو جہاں کپڑے کی دیوار ختم ہوتی ہے۔ اس ستون کو اگر دیکھیں تو وہاں استوانہ حرس لکھا نظر آتا ہے۔ استوانہ سریر اس سے آگے ہے مردوں کی طرف اور استوانہ وفود عورتوں کی طرف ہے۔ عورتیں بھی اس کو دیکھ سکتی ہیں۔ بہر حال وہ بھی نفل پڑھ کے دل میں یہ نیت کریں کہ یہاں نبی علیہ السلام کے وفد آ کر اسلام قبول کرتے تھے نبی علیہ السلام کے ہاتھوں پہ۔ آج میں بھی پچھلے گناہوں سے سچی توبہ کر کے نئی ایمانی، اسلامی، قرآنی زندگی گزارنے کی نیت کرتی ہوں۔

۷......استوانہ تہجد:

ایک استوانہ تہجد ہے۔ یہ حجرہ مبارک کے اندر آ گیا ہے اس کو کوئی بندہ اس وقت نہیں دیکھ سکتا۔ ہم اس کے قریب بھی عبادت نہیں کر سکتے یہ چند ستون ہیں۔

مصلیٰ رسول کی پہچان:

ایک اور عجیب بات ہے یہ ہم نے کتابوں میں کہیں پڑھی تو نہیں۔ مگر یہاں کے رہنے والے پرانے عربی لوگوں سے بھی سنی اور اپنے علماء سے بھی سنی۔ وہ عجیب بات یہ ہے کہ اس وقت تو قبلہ بیت اللہ کی طرف ہے اور امام آگے کھڑا ہوتا ہے لیکن جب قبلہ اول

کی طرف نماز پڑھی جاتی تھی اس وقت نبی علیہ السلام کا مصلیٰ کہاں تھا؟ اس وقت تو مصلیٰ بنا ہوا ہے لوگ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں لیکن مصلیٰ قبلہ اول کی طرف تھا تو سمت بالکل متضاد ہونی چاہیے۔

اس کا مطلب ہے کہ اس وقت مصلیٰ رسول ﷺ وہاں ہونا چاہیے جہاں عام صفیں بنتی ہیں۔ چنانچہ واقعی مصلیٰ رسول جو ہے وہ صفہ کے قریب ہے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ استوانہ عائشہ کی سیدھ میں آپ دیکھتی جائیں کہ ستون بنے ہوئے ہیں اور ادھر سے باب جبرائیل کی سیدھ لے لیں تو دونوں کی سیدھ وہاں ملتی ہے اس کے سنگم پر ایک ستون بنا ہوا ہے۔ شاید اس کے اوپر ۱۱۵ نمبر لکھا ہوا ہے۔ اس ستون کے پاس اس وقت مصلیٰ رسول بچھایا جاتا تھا۔ چونکہ عام لوگوں کو زیادہ اس کا پتہ نہیں اس لیے وہاں پر زیادہ لوگ ہی نہیں ہوتے۔ عورتیں وہاں پر نفل پڑھ کے دعائیں کر سکتی ہیں اور یوں سمجھیں ان کو گویا مصلیٰ رسول پر نماز پڑھنے کا وہ اجر نصیب ہو سکتا ہے۔

انجینئرنگ سے تعلق رکھنے والے لوگ جب اس ستون کو دیکھتے ہیں تو ان کو صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ ستون ذرا ٹیڑھا کر کے اس جگہ پر بنایا گیا ہے۔ ورنہ عمارت کے لحاظ سے ستون دوسری طرف بنتا تھا۔ مگر اسکی کوئی نشانی بھی رکھنی تھی۔ اور ترکوں کی یہ خوبی ہے کہ انہوں نے نشانیوں کو بہت محفوظ کیا۔ اس لیے انہوں نے یہ ستون عین اسی جگہ بنایا جہاں پر نبی علیہ السلام کا مصلیٰ ہوتا تھا۔ عورتیں اگر تھوڑی سی عقل مندی کریں اور محنت کریں تو ان کو اس ستون کے پاس نماز پڑھنے کا اجر اور ثواب نصیب ہو سکتا ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر کا اعزاز:

مسجد نبوی کے اردگرد چاروں طرف صحابہ کرامؓ کے گھر بھی تھے۔ ایک تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا گھر تھا جس کا دروازہ مسجد کے صحن میں کھلتا تھا۔ نبی علیہ السلام نے سب صحابہؓ

کے دروازے بند کروادیے تھے مگر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دروازہ کھلا رکھوایا تھا۔

پرنالے کا نشان:

ان کے قریب ہی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا گھر تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی چھت کا جو پرنالا تھا وہ مسجد نبوی کے صحن میں گرتا تھا۔ لہٰذا جب بارش ہوتی تو مسجد کے صحن کے اندر خوب کیچڑ بن جایا کرتا تھا اور نمازیوں کو تنگی ہوتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک مرتبہ کافی بارش ہوئی تو انہوں نے جب یہ دیکھا کہ یہ عام فائدے کے خلاف ہے۔ تو شریعت کا اصول ہے کہ اجتماعی فائدے کی خاطر انفرادی نقصان کو برداشت کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اکھڑوادیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو انہوں نے مقدمہ درج کردیا۔

ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی عدالت تھی۔ انہوں نے پوچھا کہ مقدمہ کیوں درج کیا؟ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے گھر کے پرنالے کو میری اجازت کے بغیر اکھاڑا گیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے تو رفاہ عامہ کا خیال رکھتے ہوئے اکھاڑا۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ٹھیک ہے مگر یہ وہ پرنالہ ہے جس کو نبی علیہ السلام نے اپنے مبارک ہاتھوں سے لگایا۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس کو وہاں لگا ہوا ہی دیکھوں اکھڑا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔

چنانچہ ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ وقت کے خلیفہ عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ جائیں گے اور وہاں جا کر رکوع کی حالت میں کھڑے ہوں گے اور ان کی پیٹھ کے اوپر عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کھڑے ہوں گے اور اس پرنالے کو دوبارہ لگائیں گے۔ چنانچہ وقت کے لوگوں نے عدل وانصاف کا عجیب نمونہ دیکھا کہ وقت کے خلیفہ جا کر رکوع کی حالت میں کھڑے ہوئے۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی پیٹھ پر کھڑے ہو کر پرنالا نصب کیا اور جب نیچے

اترے تو کہا کہ میں نے اس کو اپنی اصل شکل میں دیکھا تو میرا دل خوش ہوا۔اب میں اپنے پورے گھر کو مسجد نبوی میں داخل (شامل) کرتا ہوں۔

چنانچہ اس پرنالے کا جو سوراخ ہے وہ اب تک محفوظ ہے باب السلام کے اندر داخل ہوں تو دیوار کے اوپر آیتیں لکھی ہوئی ہیں تو ایک آیت ہے:

﴿وَاتَّقُوْنِ یٰاُولِی الْاَلْبَابِ﴾

واتقون کی جو نون ہے اس ''نون'' کے قریب اس پرنالے کی نشاندہی آج بھی موجود ہے اور دیکھی جا سکتی ہے۔

باب السلام:

باب السلام وہ دروازہ ہے جو مسجد نبوی میں تہجد کے وقت سب سے پہلے کھلا کرتا تھا۔ آج بھی سب سے پہلے وہی کھلتا ہے۔وہاں سے سیدھا آئیں تو انسان مواجہ شریف کے اندر آ سکتا ہے۔

بدعقیدہ لوگوں کے دھنسنے کی جگہ:

اگر وہاں سے آئیں تو راستہ میں فرش کے اوپر ایک نشانی بنی ہوئی ہے جس کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔آج کل تو قالین ہیں جس کی وجہ سے دیکھنا مشکل ہے۔وہ نشانی کیا ہے؟ کافی عرصہ پہلے کی بات ہے کہ مدینہ کے اندر کچھ بدعقیدہ لوگ آ گئے جن کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض تھا، کینہ تھا، دشمنی تھی، عداوت تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ہم کسی طرح ان کی قبور کو کھودیں اور ان کی نعشوں کو وہاں سے نکال لیں۔

پلاننگ انہوں نے یہ کی کہ جو مسجد نبوی کا دربان تھا اس کے ساتھ دوستی لگائی اور ایک دن اس کو کہا کہ عبادت کرنے کو بڑا جی چاہتا ہے۔اگر آپ مسجد کا دروازہ کھلا رکھیں تو ہم اندر آ کر عبادت کر لیں گے۔اس کو خوب تحفے تحائف دیے۔دربان بھی آخر بندہ تھا اس

نے دوستی کی وجہ سے ان کو اندر آنے دیا۔ اور دروازہ کھول دیا۔ جب آدھی رات گزری تو چالیس کے قریب لوگ آئے جن کے ہاتھوں میں بیلچے تھے اور زمین کھودنے کی چیزیں تھیں۔

وہ اس نیت سے مسجد میں داخل ہوئے کہ ہم حجرہ کے اندر سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی قبور کو کھودیں گے۔ لیکن ابھی وہ درمیان راستہ میں ہی تھے کہ زمین پھٹی اور یہ چالیس بندے اندر اتر گئے۔ ان کا جو کچھ سامان بچا تھا اس کی وجہ سے لوگوں کو اندازہ ہوا۔ چنانچہ زمین کو کھودا گیا اور ان چالیس بدعقیدہ لوگوں کو نکال کر مدینہ سے باہر کہیں زمین میں دفن کر دیا گیا۔ اس جگہ کا نشان اب تک موجود ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حملے کی جگہ:

اس سے ذرا اور آگے چلیں تو ایک مصلیٰ کا نشان بنا ہوا ہے یہ وہ جگہ ہے جہاں پہ عمرؓ نماز پڑھا رہے تھے جب ان پر حملہ کر کے زخمی کیا گیا تو وہ مصلے کی نشانی زمین پر بنانے کی بجائے دیوار پر بنا دی گئی ہے۔ یعنی دیوار سے مصلے کا فاصلہ جتنا تھا اتنا ہی زمین سے اوپر کر کے ٹائلوں کے ساتھ ایک مصلے بنا دیا گیا۔ اس کو دیکھ کر انسان آسانی سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کس جگہ پر ہوئی تھی۔

مواجہ شریف:

اس سے ذرا آگے جائیں تو پھر مواجہ شریف شروع ہو جاتا ہے۔ حجرہ مبارک شروع ہو جاتا ہے۔ جہاں نبی علیہ السلام آرام فرما رہے ہیں۔ جہاں آپ کے قدم مبارک ہیں وہاں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سر ہے۔ پھر جہاں ان کے قدم ہیں وہاں عمر رضی اللہ عنہ کا سر ہے۔ اور آگے ایک چوتھی قبر کی جگہ ہے جو خالی ہے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ شاید حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آئیں گے تو وہ اس مقام

پر مدفون ہوں گے کیونکہ وہ جگہ ابھی بھی خالی ہے۔

مرزا قادیانی کے کذاب ہونے کی دلیل:

یہاں سے یہ بھی بات ثابت ہوتی ہے کہ مرزا قادیانی نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا وہ کذاب تھا، دجال تھا۔ اس لیے کہ اس نے عیسیٰ ہونے کا بھی دعویٰ کیا۔ جبکہ عیسیٰ علیہ السلام تو ابھی آئے بھی نہیں۔ جب آئیں گے تو وہاں مدفون ہوں گے جہاں چوتھی جگہ خالی چھوڑی گئی ہے۔

ایک ایمان افروز واقعہ:

شام میں مسلمانوں کا ایک بادشاہ تھے جس کا نام تھا سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ اس کو ایک مرتبہ خواب میں نبی علیہ السلام کا دیدار نصیب ہوا۔ یہ بڑے نیک بادشاہ تھے۔ نبی علیہ السلام نے خواب میں ان کو فرمایا کہ دو بندے ہیں جو مجھے تکلیف پہنچاتے ہیں اور ان دونوں کی شکلیں بھی دکھائی گئیں۔ وہ گورے چٹے تھے اور نیلی آنکھوں والے تھے جیسے انگریز ہوتے ہیں۔ نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ فوراً اٹھے اور شام سے مدینہ کی طرف سفر شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے تو وہاں کے گورنر کو انہوں نے بلایا اور فرمایا کہ پورے شہر کی ناقہ بندی کر دو اور مدینہ کے جتنے لوگ ہیں وہ سارے کے سارے مجھے آ کر ملیں۔ مگر ان کو وہ دو بندے نظر ہی نہیں آئے۔ انہوں نے گورنر سے کہا کہ اور کوئی بندے جو رہتے ہوں ان کو بھی پیش کرو۔ پھر تفتیش کی گئی پتہ کیا گیا تو انہوں نے کہا جی ہاں! دو درویش ٹائپ بندے ہیں وہ قبرستان میں ہی ڈیرے لگائے رہتے ہیں۔ وہیں رہتے ہیں اور موت کو یاد کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان کو بھی میرے پاس لاؤ۔ جب ان کو لایا گیا تو یہ وہ دو منحوس شکلیں تھیں وہی دو بد بخت تھے۔

چنانچہ نورالدین نے کہا کہ ان کی جگہ کی تلاشی لی جائے۔ جو ان کا خیمہ تھا جب اس کی

تلاشی لی گئی تو انہوں نے اپنے بستروں کے نیچے سے سرنگ بنانی شروع کی تھی اور سرنگ بناتے بناتے نبی علیہ السلام کے قدمین مبارک کے قریب پہنچ گئے تھے۔ وہ دونوں عیسائی تھے اور ان کا یہ منصوبہ تھا کہ ہم نبی علیہ السلام کی ذات بابرکات کو وہاں سے نکالیں اور پھر مسلمانوں سے کہیں کہ تم جس حجرے کی باتیں کرتے ہو وہاں تو کوئی ہے ہی نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس برے منصوبے کو کھول دیا اور پتہ چل گیا۔

چنانچہ ان دونوں عیسائیوں کو قتل کیا گیا اس کے بعد نور الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ نے نبی علیہ السلام کی قبر مبارک کے چاروں طرف اتنی کھدائی کروائی کہ نیچے پانی آ گیا۔ اور وہاں پر چاروں طرف سیسہ بھر دیا تا کہ اس کے بعد کوئی بد بخت اس کی طرف قدم بھی نہ بڑھا سکے۔

گنبد خضرا کا سوراخ......حصول بارش کا ذریعہ:

جو نبی علیہ السلام کا حجرہ ہے اس کی چھت میں ایک سوراخ تھا۔ یہ سوراخ دور صحابہ میں کیا گیا۔ ہوا ایسے کہ نبی علیہ السلام کے زمانے میں بارش نہیں ہوتی تھی تو صحابہؓ نبی علیہ السلام کی خدمت میں آ کر عرض کرتے تھے۔ آپ دعا فرما دیتے تھے۔ بارش ہو جاتی تھی۔ جب نبی علیہ السلام وفات پا گئے تو پھر صحابہ کرامؓ حضرت عباسؓ کے پاس جاتے تھے کہ آپ نبی علیہ السلام کے چچا ہیں اور امت کے لیے بڑی عزت کا درجہ رکھتے ہیں آپ دعا فرمائیں۔ چنانچہ آپؓ دعا فرماتے اور اللہ تعالیٰ بارش عطا کر دیتے تھے۔ جب ان کی بھی وفات ہو گئی تو صحابہ کرام نے سوچا کہ اب کیا کریں۔

چنانچہ دل میں خیال آیا کہ اب تو اپنی ماں کی طرف جانا چاہیے۔ بچوں کو پریشانی ہوتی ہے تو اپنی ماں یاد آتی ہے۔ پیچھے جو بڑے حضرات تھے وہ سب امی عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پردے کے پیچھے ان سے پوچھا کہ اب آپ بتایئے

اور دعا فرمائیے بارش نہیں ہو رہی۔ تو اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایسے کرو نبی علیہ السلام کے حجرہ مبارک کی جو چھت ہے اس کے اندر چھوٹا سا سوراخ بنا دو۔ جیسے ہی تم سوراخ بناؤ گے اللہ کی رحمت جوش میں آئے گی اور خوب بارش برسے گی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ خوب جل تھل ہو گیا۔ بارش برسی اس وقت سے یہ اصول چلا آتا تھا کہ جب زیادہ بارش کا مسئلہ ہوتا تو سوراخ کھول دیتے تھے تو پھر بارش ہو جایا کرتی۔ پھر جب اس گنبد کو بلند کیا گیا تو اس کے اندر وہ سوراخ رکھا گیا۔

اس وقت ہمیں جو سبز گنبد نظر آتا ہے وہ تیسرا گنبد ہے۔ یعنی اس کے نیچے دو چھوٹے گنبد بنے ہوئے ہیں۔ پہلا گنبد چھوٹا ہے پھر اس کے اوپر ایک اور گنبد بنا ہوا ہے یہ تیسرا گنبد ہے جو ہم دیکھتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ تینوں گنبدوں میں بالکل سیدھ کے اندر وہ سوراخ رکھا گیا اور جو اس وقت گنبد ہے اس کے اوپر سے وہ سوراخ اب بھی نظر آتا ہے۔

جب پچھلی دفعہ حج کے موقع پہ آنا ہوا ہم نے اس وقت وہ سوراخ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ امید ہے یہ سوراخ اب تک موجود ہوگا اگر اس کو بند نہیں کیا گیا۔ ترکوں کے دور میں ایک مرتبہ بارش نہیں ہوتی تھی تو جب سوراخ کھول دیا گیا پھر بھی کئی دن تک بارش نہ ہوئی۔ علماء نے کہا ایسا تو نہیں کہ سوراخ کہیں بند ہو۔

چنانچہ انہوں نے ایک بچے سے کہا کہ ہم آپ کو ایک رسی کے ذریعے رسی آپ کی ٹانگوں میں باندھیں گے اور الٹا لٹکائیں گے اور آپ اندر ہاتھ ڈال کر دیکھنا کہ سوراخ بند تو نہیں۔ الٹا اس لیے کہ نیچے پاؤں نہ ہوں اور بچے کو اس لیے چنا کہ بچے معصوم ہوتے ہیں۔ اور اس کا ہاتھ بھی اندر جا سکتا ہے۔

جب بچے نے ہاتھ ڈالا تو ایک مرا ہوا کبوتر اندر پھنسا ہوا تھا۔ جب اس کبوتر کو نکالا گیا

اور سوراخ کھل گیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے بارش عطا فرمادی۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ:

ہمارے اہلسنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق نبی علیہ السلام اپنی وفات کے بعد بھی حیات کی کیفیت میں ہیں۔اس کو حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ کہا جاتا ہے۔

چنانچہ چاروں ائمہ اس بات پر متفق تھے۔سارے صحابہ کرام اس بات پر متفق تھے یہ امت کا متفقہ مسئلہ ہے کہ نبی علیہ السلام پر موت کی کیفیت تھوڑی دیر کے لیے آئی۔لیکن اس کے بعد ایک حیات آپ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمادی اس کو حیاۃ النبی کا مسئلہ کہتے ہیں۔

حدیث پاک میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِ هِمْ يُصَلُّوْنَ))

''انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہوتے ہیں بلکہ نماز بھی پڑھتے ہیں''

یہ مسئلہ چند سال پہلے جب انگریز آیا ہمارے ملک پاکستان ہندوستان میں تو اس وقت اختلاف یہ بنا کہ کچھ لوگ جو اپنے آپ کو غیر مقلد کہتے تھے انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ نہیں نبی علیہ السلام بھی حیاۃ نہیں ہیں۔ان کو مماتی کہتے ہیں کیونکہ یہ ممات کے قائل ہیں یا پتھری بھی کہتے ہیں۔وہ یوں کہتے ہیں نبی علیہ السلام کا بدن مبارک تو محفوظ ہے مگر ایسے ہے جیسے پتھر زمین پر پڑا ہوتا ہے۔اس لیے ان کو پتھری کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی بدعقیدگی سے محفوظ فرمائے اور اہلسنت کے اس عقیدے کے اوپر جمے رہنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

عقلی دلائل سے وضاحت:

چونکہ مسئلہ چھڑ گیا لہٰذا میں کوئی نقلی دلیلیں تو نہیں دوں گا کہ قرآن مجید سے دلیلیں دوں۔یہ تو ایک مستقل بات بن جائے گی۔دو چھوٹی چھوٹی عقلی دلیلیں دوں گا تا کہ پتہ چل

جائے کہ یہ مسئلہ کتنا آسان ہے۔

پہلی دلیل:

پہلی بات کہ صدیقین، شہداء، صالحین اور انبیاء یہ چار رتبے قرآن مجید میں کہے گئے۔ تو صالحین سے شہدا کا رتبہ اونچا، شہدا سے صدیقین کا درجہ اونچا اور صدیقین سے انبیاء کا درجہ اونچا ہے۔ یہ درجہ بندی قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمادی۔ اب شہید کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ﴾

''جو اللہ کے راستے میں شہید ہو جائیں ان کو تم مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی دیے جاتے ہیں لیکن تم اس بات کا شعور نہیں رکھتے''

ہم جو بے شعور لوگ ہوتے ہیں ہمیں ان کی زندگی کا پتہ نہیں کہ وہ کیسے زندہ ہوتے ہیں۔ بلکہ فرمایا وہ زندہ ہیں مگر اللہ پاک کے نزدیک ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

چنانچہ جب قرآن نے شہید کو زندہ کہا مرنے کے بعد بھی تو سوچیے کہ شہید سے اوپر صدیق کا درجہ اور سب سے اوپر نبی کا درجہ۔ جب امتی شہادت پا جائے قرآن کہتا ہے کہ ان کو زندگی مل جاتی ہے۔ جو خود امت کے نبی ہوں گے ان کو موت کے بعد یہ زندگی تو نصیب نہیں ہوگی۔ اس لیے پھر ان کو اعلیٰ زندگی نصیب ہو جاتی ہے۔

دوسری مثال پہ ذرا غور کیجیے۔ ایک بندہ جو فاسق و فاجر ہے نماز بھی نہیں پڑھتا، سنت کا بھی خیال نہیں رکھتا، گناہ بھی کر لیتا ہے لیکن کسی مسئلے میں کوئی نبی علیہ السلام کی بے ادبی کرتا ہے تو اس بے ادبی پر وہ بندہ غصے میں آ کر اس کو قتل کرتا ہے اور اس کے بدلے میں اس کو قتل کر دیا جاتا ہے تو جس بندے کو نبی علیہ السلام کی عزت پر قربان ہونے کی سعادت

مل چکی اگر چہ پہلے وہ فاسق و فاجر تھا اب اس کو شہید کہا گیا۔

تو جو فاسق و فاجر نبی علیہ السلام کی عزت پر قربان ہو جائے اور اس کو شہادت کا رتبہ ملے تو وہ زندہ کہلائے۔ اور جو خود اللہ کے محبوب ہیں جو پاکیزہ ہیں جن کی زندگی ہر اعتبار سے پاکیزہ ہے۔ جب ان کی وفات ہوگی تو یہ کیسے انسان کہہ سکتا ہے کہ مرنے کے بعد ان کو زندگی نہیں ملے گی اور وہ بالکل مردے کی طرح اپنی قبر میں موجود ہوں گے۔ عقلی طور پر اگر سوچیں تو یہ چیز سمجھ میں آتی ہے۔

دوسری دلیل:

ایک دوسری عقلی دلیل جو اس وقت دینی ضرورت نظر آتی ہے وہ یہ کہ نیک آدمی جب فوت ہو جاتا ہے تو اس کو بلند درجہ دے دیا جاتا ہے۔ مثلاً نیک ہوگا تو علیین میں اس کی روح کو لے جایا جاتا ہے اور اگر گنہگار ہوگا تو سجین میں اس کی روح کو لے جائیں گے۔ یہ علیین اور سجین کا تصور قرآن نے پیش کیا۔ جب بھی کوئی نیک آدمی مرتا ہے تو اس کی روح کو بلند مقام پر لے جاتے ہیں۔

جب یہ دستور بنا تو میں آپ لوگوں سے ایک سوال پوچھتا ہوں کہ اگر نبی علیہ السلام کی وفات ہوئی اور آپ کی روح کو نکال لیا گیا جسم مبارک سے، جسم اطہر سے تو پھر تو کوئی اور اعلیٰ جگہ ہونی چاہیے جہاں اس روح کو رکھا گیا۔ تو کہاں ہے وہ روح؟ کوئی بھی وہ جگہ جہاں اس روح کو رکھا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے افضل جگہ وہ بن جائے گی۔ جبکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ کی مخلوق میں نبی علیہ السلام سب سے افضل درجہ رکھتے ہیں۔ اللہ نے جو کچھ بنایا، جو بھی مخلوق بنائی اس کا رتبہ نبی علیہ السلام سے نیچے ہے، چھوٹا ہے۔ اللہ کے محبوب کا رتبہ سب سے بلند ہے۔

چنانچہ اگر آپ کے جسم اطہر سے روح نکال لی جاتی اور کہیں اور رکھی جاتی تو اس

کا مطلب ہے بلند رتبے سے نیچے کے رتبے میں لائی جاتی۔ یہ کیسے ممکن ہوسکتا تھا۔ نبی علیہ السلام کی روح جسم سے نکالی ہی نہیں گئی اس لیے کہ خدا کی خدائی میں سب سے افضل آپ ﷺ کے جسم مبارک کے علاوہ کوئی مخلوق تھی ہی نہیں جہاں اس روح کو ڈال دیا جاتا۔

عام بندے کی روح کو تو جنت کے پرندوں میں ڈال دیں گے کہ اس جسم سے وہ افضل چیز ہے۔لیکن نبی علیہ السلام کی روح مبارک کو کہاں ڈالیں گے؟ ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے جسم سے جو مٹی لگ رہی ہے علماء دیو بند نے کہا کہ اس کا رتبہ اللہ رب العزت کے عرش معلیٰ سے بلند ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس جسم اطہر کو یہ شان عطا فرمائی کہ جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کی روح کو جسم سے الگ ہی نہیں کیا گیا۔ اگر روح کو الگ نہیں کیا گیا تو کیسے آپ کی وفات ہوئی؟

مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات بڑے پیارے انداز سے سمجھائی۔ وہ فرماتے ہیں جس طرح ایک لالٹین یا بلب جل رہا ہوتا ہے اور اس کے اوپر ٹوکری ڈال دیں تو باہر روشنی بند ہو جاتی ہے اور ٹوکری کے اندر تو وہ ٹھیک طرح جل رہا ہوتا ہے بلکہ ٹوکری کے اندر روشنی زیادہ ہو جاتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں بالکل اسی طرح اللہ کے محبوب ﷺ کے اوپر موت کو اسی طرح طاری فرما دیا جس طرح ٹوکری کے اندر کسی چیز کو بند کر دیا ہو۔ اس کی حقیقت انہوں نے یوں سمجھائی کہ نبی علیہ السلام کی روح کو پورے جسم سے سمیٹ کر آپ کے قلب مبارک میں اکٹھا کر دیا گیا کیونکہ آپ کا قلب مبارک بھی آپ کے جسم میں سب سے افضل جگہ تھی تو روح کو واقعی بلندی نصیب ہوگئی اور اس کے بعد اس کو دوبارہ جسم کے اندر پھیلا دیا گیا۔ یہ نبی علیہ السلام کی وفات مبارکہ تھی۔

اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنہوں نے اپنے سامنے ہزاروں لوگوں کو مرتے دیکھا تھا

جو جانتے تھے کہ مرنے والے کی پہچان کیا ہوتی ہے۔ جب انہوں نے نبی علیہ السلام کو دیکھا تو ان کو زندگی کے آثار نظر آئے۔ لہٰذا وہ تلوار لے کر کھڑے ہو گئے کہ جو کہے گا کہ نبی علیہ السلام وفات پا گئے میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ اس لیے کہ اللہ کے محبوب تو زندہ ہیں۔ ہمارے علماء نے فرمایا کہ نبی علیہ السلام اپنی وفات کے بعد زندگی کی کیفیت میں ہیں۔ اگرچہ ہم اس کیفیت کو نہیں سمجھ سکتے۔ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو بہتر سمجھتے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک نبی علیہ السلام اپنی قبر مبارک میں زندگی کی کیفیت میں ہیں۔ یہاں ذرا ایک بات کو کھولتے چلیں۔

گنبد خضرا کی حفاظت کا انوکھا واقعہ:

ایک وقت ایسا بھی آیا ہے مقامی حکومت نے کہا کہ قبروں کے اوپر جتنے گنبد ہیں گرا دیے جائیں، عمارتیں گرا دی جائیں، سب گرا دیا جائے۔ چنانچہ اس وقت جنت البقیع میں جتنی قبور پر عمارتیں یا گنبد تھے سب گرا دیے گئے۔ سب پر بلڈوزر پھیر کر برابر کر دیا گیا۔

ایسے بھی لوگ تھے جنہوں نے کہا کہ حضور ﷺ کی قبر مبارک پر بھی تو گنبد بنا ہوا ہے جہاں پہلے قبروں سے گنبد ہٹائے تو اس کو بھی ہٹانا چاہیے۔

بخاری شریف کی حدیث ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا:

”قبروں پر گنبد بنایا جائے اس کی اجازت نہیں ہے“

بناء علی القبر کی اجازت نہیں ہے۔ اب اس حدیث پاک کے تحت وہ چاہتے تھے کہ اس کو بھی ہٹا دیا جائے۔ لیکن پھر انہیں حکومت نے کہا کہ پہلے تم مختلف علماء کرام سے پوچھ لو، ان کی بھی رائے لو۔ پھر یہ قدم اٹھانا یہ تو بہت بڑا نازک مسئلہ ہے۔

یہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا دور تھا۔ وہ اس وقت دار العلوم دیوبند میں شیخ الحدیث تھے

اوران کے پاس وفد آیا۔اس وقت ان کے پاس ایک طالب علم پڑھ رہے تھے۔انہوں نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے دورہ حدیث کیا پھر بعد میں، وہ خود شیخ الحدیث بنے۔اللہ تعالیٰ کی شان کہ اس عاجز کے ان کا ساتھ اصلاحی تعلق تھا۔ایک دن انہوں نے مجھے اپنا واقعہ خود سنایا۔

کہنے لگے: حضرت! میں حضرت مدنی کا شاگرد ہوں اور میں اس دن دارالعلوم دیوبند میں موجود تھا جس دن یہ واقعہ ہوا۔میں آپ کو آنکھوں دیکھا واقعہ مسجد میں باوضو بیٹھ کر سناتا ہوں۔

انہوں نے کہا: کہ علما کا ایک وفد وہاں آیا اور انہوں نے آ کر کہا: ہم نے جنت البقیع سے تو سارے گنبد ختم کر دیے۔ہم چاہتے ہیں کہ روضہ انور سے بھی گنبد کو ہٹا دیں۔کیونکہ حدیث پاک کے مطابق قبور کے اوپر بناء کی اجازت نہیں ہے۔علماء نے کہا: اچھا! ہمیں تین دن دے دیجیے تا کہ ہم علما کو بلا لیں اور اس کے بعد ان سے بات کریں گے یہ خبر تو جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی۔

چنانچہ جس دن بات ہونی تھی اس سے ایک دن پہلے علما پہنچ گئے۔کوئی پانچ سو کے قریب بڑے بڑے علما نے دارالعلوم میں رات گزاری اور وہ فرماتے ہیں کہ وہ رات بھی عجیب تھی۔کوئی آپس میں تکرار کر رہے تھے،کوئی کتابیں پڑھ رہے تھے،کوئی ذکر کر کے اللہ سے دعائیں مانگ رہے تھے،کوئی رو رہے تھے،کوئی نمازیں پڑھ رہے تھے کہ یہ اتنا نازک مسئلہ ہے۔اے اللہ ہمیں دلیلیں دے دیجیے، توفیق دے دیجیے کہ ہم ان علماء کو قائل کر سکیں۔چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے حضرات اکابر وہاں جمع ہو گئے۔

فرماتے ہیں کہ عصر کی نماز کا وقت مجمع بیٹھا ہے۔ پہلے یہاں سے گئے ہوئے

جو حضرات تھے انہوں نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور دلیل یہی دی کہ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ قبر کے اوپر عمارت کھڑی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس کی روشنی میں ہم نے جنت البقیع سے تو سب عمارتیں ختم کر دیں۔ اب یہ ایک آخری عمارت ہے ہم چاہتے ہیں کہ اسے بھی ہٹا دیں۔ ہم اس بارے میں آپ سے رائے لینے آئے ہیں۔ جب وہ بیان کر کے ہٹے تو تھوڑی دیر تو پوری مجلس میں جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ بالکل خاموشی تھی۔ لوگوں کی چیخوں کی آواز تو سنائی دے رہی تھی کہ علما رو رہے تھے اے اللہ ہم کیسے کوئی بات کریں کہ ان لوگوں کو قائل کر لیں۔ جس سے وہ روضہ پاک کو ہاتھ نہ لگائیں۔ بڑا عجیب نازک مسئلہ تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہوئے۔ آپ نے خطبہ دیا اور خطبہ دے کر فرمایا کہ الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے شرح صدر عطا فرمایا، انہوں نے کہا اس سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے بتایا کہ شرح صدر سے مراد یہ ہے کہ جو حدیث پاک آپ نے بتائی ہے وہ صحیح ہے۔ متن اور سند کے حساب سے بڑی عالی ہے، بڑی افضل ہے۔ سند متصل کا درجہ رکھتی ہے سو فیصد اس کا مضمون اپنی جگہ پر ٹھیک ہے کہ قبر کے اوپر بناء کی اجازت نہیں ہے تو وہ علما بولے اگر آپ بھی تصدیق کرتے ہیں کہ حدیث پاک سند کے حساب سے ٹھیک ہے تو پھر ہمیں اجازت ہے کہ ہم اوپر سے گنبد خضرا کو ہٹا دیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہی تو شرح صدر ہے جو اللہ نے کر دیا کہ آپ گنبد خضرا کو نہیں ہٹا سکتے۔ وہ کہنے لگے: عجیب بات ہے ایک طرف تو آپ کہتے ہیں کہ حدیث ٹھیک ہے دوسری طرف کہتے ہیں کہ گنبد خضرا کو نہیں ہٹا سکتے۔ تو حضرت نے فرمایا: یہی نکتہ تو اللہ نے میرے ذہن میں، دل میں ڈال دیا سمجھا دیا۔ وہ اس لیے کہ بناء علی القبور یعنی قبر کے اوپر عمارت بنانے کی اجازت نہیں۔ لیکن گنبد خضرا کا معاملہ الگ ہے۔ یہاں عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ پہلے

تھا اور قبر اس کے اندر بعد میں بنائی گئی۔ لہٰذا اب اس عمارت کو آپ ہٹا نہیں سکتے۔

یہ علماء دیو بند کی قربانیاں ہیں ان کی برکتیں ہیں کہ آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہی گنبد خضرا دیکھنے کی سعادت عطا فرمائی۔

مواجہ شریف پر حاضری کے آداب:

مواجہ شریف پر حاضری کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مسجد نبوی میں ہم اس طرف جائیں جہاں نبی علیہ السلام کا روضۂ انور ہے اور چہرہ مبارکہ قبلہ کی طرف ہے۔ آپ قبلے کی طرف چہرہ مبارک کر کے آرام فرما رہے ہیں۔ وہاں پر جائیں۔

☆ ......وہاں پر وفد جاتے ہیں اور کھڑے ہو کر صلوٰۃ والسلام پڑھتے ہیں۔

☆ ......عورتیں ریاض الجنۃ سے صلوۃ والسلام پڑھ لیں تو ان کا سلام ہو جائے گا۔

مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے نزدیک پوری مسجد مواجہ شریف کا درجہ (حکم) رکھتی ہے۔ لہٰذا عورتیں اگر وہیں کھڑی ہو کر درود و سلام پڑھ لیں گی تو انشاء اللہ وہ قبول ہو جائے گا۔ البتہ مردوں کو اللہ تعالیٰ یہ توفیق دیتے ہیں کہ وہ وہاں جا کر کھڑے ہوتے ہیں اور درود و سلام پڑھتے ہیں۔

☆ ......وہ جگہ بہت ادب کی جگہ ہے وہاں جاتے ہوئے اپنے دل کو تھام کے غیر سے خالی کر کے اور گناہوں سے توبہ کر کے جانا چاہیے۔ تاہم وہاں جا کر کرنا کیا چاہیے؟

☆ ......علماء نے لکھا ہے کہ جانے کا ارادہ کرے تو ستر مرتبہ درود شریف پڑھ کر جائے۔ کوئی بھی درود شریف پڑھ لے۔ چھوٹا بھی ہے صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ

ایک اور درود شریف جو معنی کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔ وہ یہ ہے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى بِعَدَدِ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى

اس درود شریف کے معنی پر اگر آپ غور کریں تو حیران ہوں گے کہ اس درود شریف کے الفاظ کتنے زبردست ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کی اربوں کھربوں رحمتیں اللہ کے محبوب ﷺ پر اور زیادہ نازل ہونگی۔ تو ایسا کوئی درود پڑھ کر وہاں جانا چاہیے۔

☆......حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جس نے میری قبر کو دیکھ لیا اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی۔

لہٰذا وہاں جائیں تو درود شریف پڑھتے رہیں ۔ درود شریف پڑھنے کے بعد دعا مانگیں دعا مانگتے ہوئے دل میں یہ آیت مبارکہ رکھیں۔

﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴾

''اے محبوب! اگر انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیے تھے ان کو چاہیے تھا کہ یہ آپ کے سامنے حاضر ہوتے پھر یہ اپنے گناہوں کے لیے اللہ سے بخشش طلب کرتے اور اللہ کے رسول ﷺ بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو یہ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پاتے''

چنانچہ اس آیت کا مفہوم سامنے رکھ کے یہ دعا مانگیں۔ اے اللہ کے محبوب ﷺ میں اس وقت اپنے سارے گناہوں سے سچی توبہ کر رہا ہوں اور آپ کی خدمت میں یہ درخواست کرتا ہوں، فریاد کرتا ہوں آپ بھی میرے بارے میں استغفار فرمایئے اللہ کی جناب میں سفارش فرما دیجیے تاکہ اللہ تعالیٰ میری توبہ کو قبول فرمالیں۔ وہاں جا کر یہ مفہوم اپنے ذہن میں رکھیں۔

☆......البتہ ایک اور بھی بات ہے ہمارے استاد مولانا محمد اشرف شاد ہیں انہوں نے یہ بات بتائی اور واقعی یہ بات دل کو لگی۔ وہ فرمانے لگے کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جو بندہ دور سے درود شریف پڑھتا ہے اس کو فرشتے مجھ تک پہنچاتے ہیں اور جو میرے پاس آ کر پڑھتے ہیں میں خود انہیں سنتا ہوں۔

چونکہ حدیث پاک سے ثابت ہے کہ نبی علیہ السلام پڑھنے والے کے درود وسلام خود سن رہے ہوتے ہیں تو وہ فرمانے لگے:

جو زیارت کے لیے جائے اس کو چاہیے کہ الصلوۃ والسلام پڑھنے کے بعد پھر ذرا مناسب آواز سے کلمہ شہادت پڑھ لے اور کلمہ شہادت پڑھ کر یہ عرض کرے اے اللہ کے پیارے محبوب ﷺ! میں نے آپ کے سامنے کلمہ پڑھا اب قیامت کے دن آپ میرے ایمان کی گواہی عطا فرما دیجیے گا اور جس کے ایمان کی گواہی نبی علیہ السلام نے کر دی یقیناً اس کی بخشش ضرور ہو جائے گی۔

☆......حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب بھی مواجہ شریف پہ جانے لگتے تھے تو جانے سے پہلے کچھ صدقہ کرتے تھے پھر وہاں جاتے تھے۔ کیونکہ قرآن مجید کی ایک آیت ایسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں جب تم میرے محبوب ﷺ سے بات کرنے آنا چاہو تو کچھ صدقہ دے دیا کرو۔

اگرچہ یہ آیت بعد میں منسوخ الحکم فرما دی گئی لیکن کلام الٰہی میں تو اب شامل ہے۔لہٰذا اس پر وہ عمل کرتے ہوئے پہلے کچھ صدقہ دیتے پھر نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔

ہمارے اکابر کا یہ معمول رہا کہ جتنی بار مسجد میں حاضر ہوتے ہیں اور مواجہ شریف پہ جانا ہوتا ہے تو یہ نیت کر لیتے ہیں کہ میں نے ایک ریال صدقہ کے لیے الگ کر لیے اور بے شک اسی وقت صدقہ نہیں کر سکتے تو الگ کر لیے جائیں بعد میں دے دیے جائیں۔ جتنی بار صدقہ دے جائیں گے تو وہ آیت جو کلام الٰہی میں نازل ہوئی اور اس وقت بھی کلام الٰہی

میں موجود ہے اگر چہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے آسانیاں کر دیں لیکن اگر اس آیت پر عمل کر کے جائیں گے تو نبی علیہ السلام کی بارگاہ میں جا کر قبولیت زیادہ نصیب ہوگی۔

☆......وہاں جا کر دعائیں مانگیں اور خوب دل سے دعائیں مانگیں۔ عربی میں، فارسی میں، اردو میں اپنی زبان میں جو بھی ہو خوب اپنے دل کی بات وہاں کہیں۔

مفلسا نیم آمدہ در کوئے تو
شیئا للہ از جمال روئے تو
دست بکش آجانب زنبیل ما
آفریں بردست بر باکوئے تو

اس جگہ پر بہت زیادہ ادب کا خیال کرنا چاہیے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

علامہ اقبال نے کیا عجیب بات کہی۔ کہتے ہیں کہ آسمان کے نیچے ایک ایسی ادب گاہ ہے جو عرش سے بھی زیادہ نازک تر ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آ کر جنید و بایزید کا بھی سانس رکتا نظر آتا ہے۔

اگر ہمارے اکابرین وہاں اتنے ادب کے ساتھ جاتے تھے تو ہمیں بھی چاہیے کہ وہاں بڑے ہی ادب کے ساتھ، عاجزی کے ساتھ جائیں۔ نبی علیہ السلام پر درود و سلام کے تحفے بھیجیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری حاضری کو قبول فرمالے۔ (امین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۝

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌ بَصِيْرٌ﴾

وسعتِ رزق

از افادات

حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

سالانہ اجتماع 2010 جھنگ یکم اکتوبر 2010 بیان جمعہ

وسعتِ رزق

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۞ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌ بَصِيْرٌ

......وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرِّزْقَ لَيَطْلُبُ الْعَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهٗ اَجَلُهٗ

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۞ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۞ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

روٹی کی فکر:

آج کے مادی دور میں انسان نے روٹی اور رزق کو نصب العین بنالیا ہے۔ روٹی کو اتنی اہمیت کبھی بھی حاصل نہیں تھی جتنی اہمیت آج حاصل ہے۔ اس لیے روٹی کمانے کے پیچھے وہ اپنے مالک کو ناراض کر بیٹھتا ہے۔ حلال اور حرام کی تمیز ختم کر دیتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک دوڑ لگی ہوئی ہے اور ہر بندہ پہلے سے زیادہ روٹی حاصل کرنے کے

چکر میں ہے۔اور یہ بات بھی ساتھ ہے کہ جتنی پیٹ بھرے کی بیماریاں آج ہیں تاریخ میں پہلے اتنی کبھی نہیں ہوتی تھیں۔مثال کے طور پر:

......بلڈ پریشر نمک زیادہ کھانے سے

......ذیابیطس (شوگر) چینی زیادہ کھانے سے۔

......دل کے امراض چربی زیادہ کھانے سے پیدا ہوتے ہیں۔

چنانچہ اگر آپ غور کریں تو زیادہ کھا کر مرنے والوں کی تعداد کم کھانے کی وجہ سے مرنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔

شکوے ہی شکوے:

اس کے ساتھ ساتھ آج شکوے بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں اور پریشانی بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔جس گھر کو دیکھیں، اس میں رزق کی پریشانی کا شکوہ ہوتا ہے......اِلا ماشاء اللہ......گھر کے جتنے لوگ ہوتے ہیں، مرد اور عورتیں، سب نوکری پیشہ ہوتے ہیں، سب کی الگ الگ گاڑیاں ہوتی ہیں، اس کے باوجود پھر شکوے کرتے نظر آتے ہیں۔

آج کل کے بھکاری کا حال:

مجھے یاد پڑتا ہے کہ ہم بچپن میں فقیر (بھکاری) کو دیکھا کرتے تھے۔وہ اس دور میں روٹی کا سوال کرتا تھا۔آٹا دے دو، روٹی دے دو۔پھر ایک وقت آیا کہ جب فقیر روٹی پر مطمئن نہیں ہوتا تھا۔اس کو پانچ روپے چاہییں ہوتے تھے سگریٹ پینے کے لیے۔اور آج وہ وقت ہے کہ فقیر پانچ روپے کا نہیں، پچاس روپے کا سوال کرتا ہے، اس لیے کہ اسے اپنے سیل فون کے اندر ایزی لوڈ کروانا ہوتا ہے۔اسے اپنے محبوب (Loved One) کو میسج کرنے ہوتے ہیں۔آج کے مسائل کا یہ حال ہے۔

دورِ حاضر میں عزت کا معیار:

حالت یہ ہو چکی ہے کہ جو عورت آج کے دور میں خوبصورت ہے، اسے خوش نصیب سمجھا جاتا ہے، اگرچہ اس کی زندگی میں عمل کی رتی نہ ہو، پرلے درجے کی خدا کی نافرمان ہو، لیکن فقط خوبصورتی پر اس عورت کو خوش نصیب سمجھا جاتا ہے۔

اسی طرح اگر مرد کے پاس دولت ہو تو لوگ اس کو خوش نصیب سمجھتے ہیں۔ اگرچہ نہ شکل ہو، نہ عقل ہو، مگر بڑا خوش نصیب سمجھا جاتا ہے۔ اگر وہ بے وقوفی کی بات بھی کرے گا تو اس کو ''بھولا بادشاہ'' کہیں گے۔ یعنی میاں صاحب بڑے بھولے ہیں۔

گویا عزت کا معیار ہی بدل گیا ہے۔ جس کے پاس مال زیادہ ہوتا ہے وہ معزز سمجھا جاتا ہے۔ نہ نیکی کو دیکھا، نہ تقویٰ کو دیکھا، نہ خدا خوفی کو دیکھا۔ معیار ہی بدل دیا۔

لوگوں کو چھوٹا خدا نہ بناؤ:

آنے والے اکثر لوگ پوچھتے ہیں: جی! لگتا ہے کہ کسی نے کچھ کر دیا ہے، رزق باندھ دیا ہے۔ بھئی! لوگوں کو کیوں چھوٹا خدا بناتے ہو۔ اگر اللہ رب العزت رزق دینا چاہیں تو ساری دنیا کے انسان جمع ہو کر اس کو بند نہیں کر سکتے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ رزق نہ دینا چاہیں تو ساری دنیا کے انسان مل کر رزق دے نہیں سکتے۔ جب رزق کا ذمہ پروردگار نے لے لیا تو پھر اتنی گھبراہٹ (Frustration) کس بات کی ہے؟ مومن کسی اور نظر سے دیکھتا ہے اس کو تو یہ دیکھنا ہے کہ مجھے رزق کے لیے ہاتھ ہلانے ہیں، حرکت کرنی ہے اور اس حرکت میں میرے مولا نے برکت دینی ہے۔ جو میرا حصہ ہے وہ مجھے ضرور ملے گا۔

محنت میں عظمت ہے:

شریعت کی خوبصورتی دیکھیے کہ نبی علیہ السلام کو ایک صحابی ملے۔ اس نے مصافحہ کیا۔

آپ ﷺ نے دیکھا کہ اس کی ہتھیلیوں میں گٹے پڑے ہوئے ہیں اور بہت سخت ہتھیلیاں ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تمہارے ہاتھ اتنے سخت کیوں ہیں؟ اس نے عرض کیا: اے اللہ کے حبیب ﷺ! میں مزدور ہوں، پتھر توڑتا ہوں، اور وہی میرا ذریعہ معاش ہے۔ پھر نبی علیہ السلام نے اس کو مسکرا کر دیکھا اور فرمایا:

((اَلْكَاسِبُ حَبِیْبُ اللهِ))

"جو ہاتھ سے محنت مزدوری کرتا ہے وہ اللہ کا دوست ہوتا ہے"

یہ کتنی خوبصورت شریعت ہے کہ انسان اگر اپنی اور اپنے اہل خانہ کی ضروریات کے لیے قدم اٹھاتا ہے تو اس کو عبادت کا درجہ دے دیا گیا ہے۔

رہبانیت اور اباحیت منع ہیں:

دین اسلام نے اعتدال کا سبق دیا ہے۔ دیکھو کہ دو انتہائیں (Extremes) ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ انسان عبادت میں اتنا لگ جائے کہ وہ دنیا کو ہی خیر باد کہہ دے۔ فرمایا کہ یہ رہبانیت ہے اور یہ منع ہے۔

((لَا رَهْبَانِیَةَ فِی الْاِسْلَامِ))

اور دوسرا یہ کہ انسان اتنا دنیا کے پیچھے لگ جائے کہ وہ روٹی کپڑا اور مکان کو ہی وہ اپنی زندگی کا مقصد بنا لے۔ فرمایا کہ یہ اباحیت ہے اور یہ بھی منع ہے۔

چنانچہ فرمایا کہ اعتدال کا راستہ اپناؤ۔ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے کام کاج کرو۔

ایک انمول نصیحت:

شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کسب معاش کے لیے کسی دوسرے شہر کا سفر کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ اپنے دوست احباب سے مل کر چلے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد اپنے شہر میں واپس آ گئے۔

ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: شفیق! کیا ہوا؟ کہنے لگے: میں ابھی راستے میں تھا کہ ایک زخمی چڑیا کو دیکھا جو اڑ نہیں سکتی تھی۔ ایک صحت مند چڑیا اس کے پاس آئی اور اس کے منہ میں ایک دانہ تھا۔ اس نے آ کر اس کے آگے ڈالا اور اس زخمی چڑیا نے کھا لیا۔ یہ دیکھ کر میں نے دل میں سوچا کہ جو پروردگار معذور چڑیا کو رزق دے سکتا ہے وہ مجھے بھی دے گا۔ چنانچہ میں وہاں سے واپس آ گیا۔

یہ سن کر ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دیکھو! معذور کا وطیرہ نہ اپناؤ، طاقت ور بن کر محنت کرو، کماؤ، خود بھی کھاؤ اور اللہ کے بندوں کو بھی کھلاؤ۔

شریعت یہ ہرگز نہیں کہتی کہ معذور بن کر پڑے رہو۔ جوان العمر انسان ہو اور دن کے دو بجے تک اس کی نیند ہی پوری نہ ہوتی ہو۔ ایسی تعلیم شریعت ہرگز نہیں دیتی۔ بلکہ شریعت نے تو کہا:

فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرَائِضْ

حلال رزق کمانا، یہ بھی فریضہ ہے۔ ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ اس میں اتنا بھی نہ لگ جانا کہ نمازیں ہی قضا کر بیٹھو۔ تم کہو کہ مجھے نماز کی فرصت ہی نہیں۔

پیٹ کا مسئلہ:

یہ ذہن میں رکھیے گا کہ پیٹ کا مسئلہ زندگی تک کا ہی نہیں، موت کے بعد کا بھی ہے۔ اگر نافرمانی کر کے دنیا میں رہے تو پھر جہنم میں کھانے کو کیا ملے گا؟ زقوم۔ پینے کو کیا ملے گا؟ غسلین۔ تو کھانے پینے کی ضرورت تو وہاں بھی ہے۔ لہٰذا دنیا کی مختصر زندگی کو نافرمانی میں گزار کر اپنے لیے آخرت کے عذاب کو واجب کر لینا، یہ کہاں کی عقلمندی ہے۔ چنانچہ انسان کو چاہیے کہ وہ رزق کے معاملے میں حرام اور حلال کا خیال رکھے۔

پیٹ تو انسان کا اتنا چھوٹا ہے کہ وہ دو روٹی سے ہی بھر جاتا ہے۔ اگر پیٹ اتنا بڑا

ہوتا ہے کہ کھاتے کھاتے بھرتا ہی نہ، اور پھر فکر مند ہوتا تو پھر چلو اور بات تھی کہ برتن بہت بڑا ہے جتنا بھی کھانا سامنے رکھ دو، وہ دو روٹیوں سے زیادہ کھا ہی نہیں پاتا۔ اگر زیادہ کھائے گا تو اگلے دن ڈاکٹر کے پاس بھی جائے گا۔

جانوروں کے پیٹ:

جانوروں کے پیٹ تو بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں۔

☆......ہاتھی کو دیکھو، وہ ٹنوں کے حساب سے سبزہ کھاتا ہے۔

☆......ہپو، دریائی گھوڑے کو بھی دیکھیں تو مجھے تو اکثر یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ سارا پیٹ ہے جس کو اللہ نے ٹانگیں لگا دی ہیں۔ جب دیکھو، کھاتا نظر آئے گا۔

☆......بلو ویل ایک مچھلی ہے۔ اس کا وزن ہر دن میں دو سو پونڈ سے زیادہ بڑھتا ہے...... بندے کا تو اپنا وزن ہی دو سو پونڈ نہیں ہوتا...... جس مچھلی کا پیٹ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ اس کا وزن روزانہ دو سو پونڈ بڑھے تو سوچیں کہ اس کی خوراک کتنی ہوگی۔

اللہ ایسی مخلوقات کو بھی رزق دیتا ہے۔ اب دو روٹیاں کھانے والے انسان کا حال دیکھو کہ وہ پریشان نظر آتا ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ پرندے اپنے گھونسلے سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور جب شام کو واپس آتے ہیں تو ان کے پیٹ بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور یہ بندہ صبح سویرے ناشتہ کر کے، پیٹ بھرا گھر سے نکلتا ہے، اور جب شام کو واپس آتا ہے تو اس کا پیٹ خالی ہوتا ہے۔ اسے بھوک لگی ہوتی ہے اور وہ بیوی سے کہتا ہے جلدی کھانا لاؤ۔

صرف پیٹ بھرنا ہی کام نہیں:

بھئی صرف پیٹ کو بھر لینا ہی کام نہیں ہے۔ حدیث مبارکہ میں آیا ہے:

اَكْثَرُ شَبْعًافِی الدُّنْيَا اَكْثَرُ جُوْعًافِی الْاٰخِرَةِ

''جو بندہ دنیا میں اکثر پیٹ بھرا رہے گا وہ آخرت میں اکثر خالی پیٹ رہے گا''

اس لیے صرف پیٹ کو بھر لینا ہی مقصدِ زندگی نہیں ہونا چاہیے۔ ہاں! جو انسان کی ضرورت ہو، اس کو ضرورت کے درجے میں پورا کرنا چاہیے۔

پیٹ بھر کر کھانے کا وبال:

جس بندے کو پیٹ بھر کر کھانے کی عادت ہو اس کی نصیحت کا دوسروں پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور خود اس کے اوپر بھی دوسرے بندے کی نصیحت کا اثر نہیں ہوتا۔ فتاویٰ ہندیہ میں یہ بات لکھی ہوئی ہے۔

ذرا اس زاویے سے بھی سوچیں!

اس بات کی طرف بھی غور کریں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارے سیاہ کارناموں نے ہمارے رزق کے دروازوں کو ہی بند کروا دیا ہو۔ آج کل تو چھوٹی چھوٹی بات پر یہ کہا جاتا ہے کہ کسی نے جادو کر دیا ہے، کوئی جنات کا اثر ہے، کوئی فلاں اثر ہے۔ خواہ مخواہ عاملوں کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں اور ایمان خراب کرتے پھرتے ہیں۔

بھئی! اگر کمرے میں اندھیرا ہو تو انسان سوچتا ہے کہ اس کمرے کی کھڑکیاں اور دروازے بند ہیں۔ یہ کبھی نہیں سوچتا کہ کسی نے کوئی عمل کر دیا ہے جس کی وجہ سے کمرے میں اندھیرا ہو گیا ہے۔ وہ ایک کھڑکی کھولتا ہے۔ ادھر سے روشنی نہیں آ رہی ہوتی تو وہ دوسری کھڑکی کھولتا ہے۔ تازہ ہوا نہیں آ رہی ہوتی تو وہ دروازہ کھول دیتا ہے۔ ہم بھی سوچیں کہ اگر ہمارے اوپر یہ معاملہ ہے تو ان دروازوں کو کس چیز نے بند کیا ہوا ہے؟ اور اب ان دروازوں کو ہم کیسے کھول سکتے ہیں؟

نکتے کی بات:

ایک نکتے کی بات سنیے! تدبیر پیالہ ہے اور اللہ ہی دینے والا ہے..... جب پروردگار

دینے والا ہے تو پھر پروا کس بات کی؟

مال جسمانی زندگی کے قیام کا سبب ہے:

اللہ رب العزت نے مال کو خیر کہا۔ ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّہٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ﴾

مال کو قیاما (قیام کا سبب) بھی فرمایا۔ قرآن مجید میں دو چیزوں کو قیاماً فرمایا ایک بیت اللہ کو۔ ارشاد فرمایا:

﴿جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیَامًا لِّلنَّاسِ﴾

اس لیے کہ بیت اللہ انسان کی روحانی زندگی کے قیام کا سبب ہے۔

اس کے علاوہ مال کو بھی قیاماً (قیام کا سبب) کہا۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَہَاءَ اَمْوَالَکُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ قِیَامًا﴾

اس لیے کہ یہ مال، انسان کی جسمانی زندگی کے قیام کا سبب ہے۔

مال ایمان کے لیے ڈھال ہے:

آج کے دور میں مال انسان کے ایمان کے لیے ڈھال ہے، ورنہ جس کے پاس مال نہیں وہ تو لوگوں کی جیب کا رومال ہے۔ جیب کا رومال ایسا ہوتا ہے کہ اس سے ناک صاف کی اور پھینک دیا۔ غریب آدمی کا آج یہی حال ہے۔ لوگ اس سے مطلب نکال لیتے ہیں اور پھر اسے ایک طرف کر دیتے ہیں۔ ایسے بندے کی معاشرے میں کوئی حیثیت ہی نہیں ہوتی۔

دو اہم باتیں:

رزق کے معاملے میں دو باتیں اہم ہیں۔

ایک تو یہ کہ رزق بھی انسان کو تلاش کرتا ہے اور موت بھی انسان کو تلاش کرتی ہے، مگر رزق، موت سے زیادہ تیز رفتار ہے۔ یہ موت سے پہلے بندے تک پہنچتا ہے۔

اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ سود کا کام کرنے سے انسان اللہ کا دشمن بن جاتا ہے۔ وہ اللہ سے جنگ کرتا ہے۔ بھئی! جو بندہ اپنا سر چٹان سے مارے گا تو وہ اپنا سر ہی پھوڑے گا۔ جو اللہ سے جنگ کرے گا، وہ اپنی تباہی کا خود ہی ذمہ دار ہوگا۔

ظاہر آنکھ یہ دیکھتی ہے کہ بینک سے قرضہ لے لو، بزنس اچھا چلے گا۔ ان بینک کے قرضوں کے پیچھے ہم نے ہزاروں کو بنکرپٹ ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

زکوٰۃ کی برکت:

یہ بھی یاد رکھیں کہ سود کی وجہ سے مال کی برکت ختم ہوتی ہے اور زکوٰۃ کے ادا کرنے سے مال کی برکت شروع ہو جاتی ہے۔ جس بندے نے زکوٰۃ نکالنی شروع کر دی، اسکے مال میں اللہ نے برکت ڈالنی شروع کر دی۔ اور برکت کس کو کہتے ہیں؟ کہ وہ رزق انسان کے لیے کافی، وافی، شافی ہو جاتا ہے۔ غیروں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانے پڑتے۔ جتنا رزق ہوتا ہے، انسان پرسکون زندگی گزارتا ہے۔

سب سے بڑا فتنہ:

آج کے دور کا سب سے بڑا فتنہ یہی ہے کہ:

يَالَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاأُوْتِيَ قَارُوْنُ

”اے کاش! ہمیں بھی وہ ملتا جو قارون کو ملا تھا“

اللہ کی تقسیم پر راضی رہیں:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ﴾

''ان کے درمیان معشیت کو ہم نے تقسیم کیا''

اس لیے مومن اللہ کی تقسیم پر راضی رہے وہ اپنی طرف سے پسینہ بہائے۔ یہ انسان کی ذمہ داری ہے۔ اس کے بعد دال ساگ بھی مل جائے تو اللہ کا شکر ادا کرے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو فرمایا گیا: اے داؤد! اگر تجھے کھانے میں کبھی سڑی ہوئی سبزی ہی مل جائے تو سبزی کو نہ دیکھنا، اس بات کو دیکھنا کہ میرے پروردگار نے جب رزق کو تقسیم کیا تو میں بھی اسے یاد تھا۔ بھیجنے والا تو وہ ہے نا اس نے یاد رکھا، اس سے بڑی اور کیا بات ہو سکتی ہے۔

مال کی طلب میں اضطراب نہ ہو:

مال کی طلب میں اجمال ہو، اضطراب نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ انسان دوسرے کی جیب کی طرف دیکھ رہا ہو، کہ یا تو خود نکال کے دے دے، ورنہ میں خود اس کا گریبان پھاڑ کر چھین لوں گا اگر اللہ پہ توکل کریں گے تو اللہ تعالیٰ اتنا دیں گے کہ آپ بس بس کریں گے۔

ہر کام مال سے نہیں سنورتا:

یاد رکھیں! دنیا کا ہر کام مال سے نہیں سنورتا۔ آج جتنا مال زیادہ اتنے پریشان زیادہ، اتنے بیمار بھی زیادہ۔

...... مال سے انسان عینک تو خرید سکتا ہے، بینائی تو نہیں خرید سکتا۔

...... مال سے انسان اچھی غذا تو خرید سکتا ہے، اچھی صحت تو نہیں خرید سکتا۔

...... مال سے انسان اچھے کپڑے تو خرید سکتا ہے، خوبصورتی کو تو نہیں خرید سکتا۔

...... مال سے انسان دوائیاں تو خرید سکتا ہے، صحت کو تو نہیں خرید سکتا۔

...... مال سے انسان جسم کو تو خرید سکتا ہے، کسی کے دل کی محبت کو تو نہیں خرید سکتا۔

...... مال سے انسان کتاب کوتو خرید سکتا ہے، علم کوتو نہیں خرید سکتا۔

پتہ چلا کہ دنیا میں بھی ہر کام مال سے نہیں ہو سکتا۔ اس لیے جتنا اس کا مقام ہے اس کو وہیں پہ رکھا جائے۔

مقصدِ زندگی پہچانیے:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾

''اور نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو، مگر عبادت کے لیے''

آگے فرمایا:

﴿مَا أُرِيْدُ مِنْهُمْ مِنْ رِّزْقٍ وَّمَا أُرِيْدُ أَنْ يُطْعِمُوْنِ﴾

ہم ان سے روزی کو تو کموانا نہیں چاہتے۔ ہم نہیں چاہتے کہ گدھے کی طرح صبح سے شام تک جتا رہے اور نمازوں کی ہوش ہی نہ ہو۔ بلکہ مقصد کو مقدم کرنا چاہیے۔ باقی رہی رزق کی بات، وہ تو اللہ تعالیٰ پہنچا ہی دیتے ہیں۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا یقینِ کامل:

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا: حضرت! کیا کریں، رزق کی بڑی پریشانی ہے۔ فرمایا: تم اپنے گھر جاؤ اور تمہیں اپنے گھر میں جو بندہ ایسا نظر آئے کہ اس کا رزق تمہارے ذمے ہو، اس کو تم بازو سے پکڑ کر گھر سے نکال دو اور جس کا رزق خدا کے ذمے ہے، اس کی تمہیں کیا پروا؟

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

''اگر اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو میری عیال بنا دے اور ساری زمین کو تانبے کی بنا دے اور آسمان سے بارش کا ایک قطرہ بھی نہ ٹپکے تو یہ اتنے عیال کی روزی

کی پریشانی نہیں، میرا مولا روزی پہنچا دے گا"

ہمارے بزرگوں، کو ایسا یقین تھا اللہ تعالیٰ کی ذات پر.

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی کے پیچھے نماز پڑھی۔ بعد میں امام صاحب سے تعارف ہوا تو امام صاحب نے پوچھا:

﴿مِنْ اَیْنَ تَاکُلُ؟﴾

"جی! آپ کا ذریعہ معاش کیا ہے، کہاں سے روٹی کھاتے ہیں"

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

اِصْبِرْ حَتّٰی اُعِیْدَ الصَّلٰوۃَ الَّتِیْ صَلَّیْتُھَا خَلْفَکَ حَیْثُ شَکَکْتَ فِیْ رَازِقِ الْمَخْلُوْقِیْنَ

"صبر کرو، میں ذرا وہ نماز لوٹا لوں جو تمہارے پیچھے پڑھی ہے، اس لیے کہ تمہیں مخلوق کو رزق دینے والے میں شک ہو گیا ہے"

ایک نشئی کا یقین:

بنوں کا ایک نشئی تھا۔ اس کے سامنے کسی نے کہا کہ آٹا مہنگا ہو گیا ہے۔ وہ کہنے لگا: اپنے لیے قیمت بڑھائی ہے، ہمیں تو روزی اسی نے دینی ہے...... ایک نشئی کا اللہ پہ اتنا توکل تھا۔

رزق کی سترہ کنجیاں

اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں اس رزق کی پریشانی کے بھی اسباب بتلا دیے، اور یہ بھی بتا دیا کہ یہ پریشانی کیسے دور ہو سکتی ہے۔ چنانچہ قرآن و احادیث میں سے سولہ ایسے نکات ہیں جو ہم نے جمع کیے، بلکہ یوں سمجھیں کہ یہ چابیوں کا

ایک گچھا ہے سولہ کنجیاں ہیں، ہر کنجی رزق کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ بتانے والا کوئی عام عامل نہیں ہے، یہ سید الاولین والآخرین ہیں۔ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ ہیں صادق الامین ہیں۔ جس زبان سے ہمیں قرآن ملا، اسی زبان سے ہمیں نبی علیہ السلام کا فرمان ملا۔ جب مخبرِ صادق ﷺ نے یہ باتیں بتائیں ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم دل کے یقین سے ان باتوں کو سنیں اور ان اعمال کو اپنائیں اور رزق کے دروازوں کو اپنی آنکھوں سے کھلتا دیکھیں۔

① نماز کا اہتمام:

رزق کی پہلی کنجی...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ﴾

اور آپ اپنے اہل خانہ کو نماز کا حکم دیجیے اور اس پر جمے رہیے، ہم آپ سے رزق نہیں چاہتے، رزق ہم پہنچائیں گے''

اس آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت ایک وعدہ فرما رہے ہیں اور وہ پروردگار وعدے کو نبھانا بھی جانتا ہے...... چنانچہ جس گھر کے سب مرد اور عورتیں اہتمام کے ساتھ نماز پڑھیں...... ایک ہوتی ہے ڈنڈے دار نماز۔ نماز ایسی نہ ہو۔ مرد ہیں تو جماعت کے ساتھ نماز کا اہتمام نہیں، عورتیں ہیں تو گھر کے کام مقدم اور بھاگی دوڑی میں قضا ہوتے ہوتے نماز پڑھتی ہیں۔ ایسی نماز نہیں ہونی چاہیے بلکہ نماز اہتمام کے ساتھ ہو۔ یہ نہ ہو کہ

......عورت کھڑی تو مصلے پہ ہو اور ہاتھ باندھ کر کپڑوں کی کلر میچنگ کر رہی ہو۔

......مرد مصلے پر تو کھڑا ہو جائے اور گلی بازار کی سیر کر رہا ہو۔

ایسی نماز نہ ہو۔ بلکہ نماز ایسے پڑھے جیسے توجہ اور دھیان سے پڑھنی چاہیے۔ کوشش تو کرے نا، اپنی طرف سے دھیان جما کر پڑھنے کی۔ کوشش کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف

سے اجر عطا ہوتا ہے۔ دنیا میں نتائج پر اجر ملتا ہے کہ یہ Achieve کر کے دکھاؤ تب تمہیں یہ اجر ملے گا۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت براری کے لیے اس کے ساتھ چل پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو دس سال کے نفلی اعتکاف کا ثواب عطا فرما دیتے ہیں...... یہاں یہ نہیں فرمایا کہ کام کراؤ بھائی کا، یہ اس اللہ رب العزت کی رحمتوں کی انتہا ہے کہ فرمایا کہ منزل تک پہنچنا تو تمہارے بس میں نہیں ہے، یہ تو مقدر کا معاملہ ہے، ہم تو یہ دیکھیں گے کہ قدم کون اٹھاتا ہے، چلتا کون ہے؟

تو نماز کو اہتمام کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کرے اور رزق کے دروازوں کو اپنی آنکھوں سے کھلتا دیکھے۔ اس لیے کہ میرے مالک نے فرمایا:

نَحْنُ نَرْزُقُكَ

''ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں''

چنانچہ آپ گھر کے ہر چھوٹے بڑے کو نماز کا اہتمام سکھائیے، رزق ملنے کی قسم یہ عاجز کھا سکتا ہے۔ یہ رزق کی بہت ہی اہم کنجی (Master Key) ہے۔ کاروبار ہو یا نوکری، رزق کا کوئی بھی مسئلہ ہو، اہتمام نماز سے اللہ رب العزت مسئلوں کو حل فرما دیا کرتے ہیں۔

۲ کثرتِ استغفار:

دوسرا عمل...... کثرتِ استغفار قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ ......﴾

اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ کثرت استغفار کی وجہ سے مال کے ذریعے سے

تمہاری مدد کروں گا۔

ایک حدیث مبارکہ میں ہے:

مَنْ اَكْثَرَمِنَ الْاِسْتِغْفَارِ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَمِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجًاوَرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَايَحْتَسِبُ

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''گناہوں کی معافی مانگنے سے بارش ملتی ہے اور اللہ رب العزت قوموں کے رزق کو وسیع فرمادیتے ہیں''

③ انفاق فی سبیل اللہ:

تیسرا عمل...... انفاق فی سبیل اللہ، اللہ کے راستے میں، نیک کاموں میں خرچ کرنا۔

اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَآاَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَيُخْلِفُهٗ

''اور تم اللہ کی راہ میں جو خرچ کرو گے اس کا بدلہ مل کر رہے گا''

یعنی بندے کو اس کا ریٹرن ملا کرتا ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ کے راستے میں خرچ کریں اور اس کے بدلے کچھ بھی نہ ملے۔

انفاق کا لفظ ''نفق'' سے بنا ہے۔ نفق کہتے ہیں سرنگ کو۔ اور سرنگ میں انسان ایک طرف سے داخل ہو کر نکلتا ہے، پھر کوئی دوسرا داخل ہوسکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو تمہارے پاس پہلا رزق ہے اس کو نکالو گے تب دوسرا رزق ملے گا۔ اسی لیے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَاتُنفِقُوامِنْ خَيْرٍيُّوَفَّ اِلَيْكُمْ﴾

یہ بھی فرمایا:

أَنْفِقْ يُنْفَقْ عَلَيْكَ

''تم خرچ کرو، اللہ تم پر خرچ کرے گا''

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

﴿اِنَّ لِلّٰهِ اَقْوَامًا اِخْتَصَّهُمْ بِالنِّعَمِ لِمَنَافِعِ الْعِبَادِ﴾

''اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنے بندوں کے منافع کے لیے مخصوص کر دیا ہوتا ہے''

ان کی ذات سے اللہ کے بندوں کو نفع ملتا رہا ہے۔ یہ ان کا چارٹر آف ڈیوٹی ہوتا ہے۔ ان کو جو ملتا ہے وہ صرف ان کی اپنی ضرورت کے لیے نہیں ہوتا، وہ دوسروں تک پہنچانے کے لیے ہوتا ہے۔ جو ڈاک پہنچاتا رہے، اس کی ترقی ہوتی رہتی ہے اور جو ڈاک نہ پہنچاتے اس کو اپنی نوکری سے معزول کر دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے کتنے لوگوں کو دیکھا ہوگا کہ جن کا کاروبار بڑا اچھا چلا، پھر یک دم بند۔ وجہ کیا بنی؟ کہ جو ملا تھا وہ سارا ان کا نہیں تھا۔ اس میں سے اللہ کے لیے خرچ کرنا بھی تھا۔ مسکینوں پر، بیواؤں پر، طلباء پر، دین کے راستے میں، فلاحی کاموں میں، مگر وہ تو خزانوں کے سانپ بن کر بیٹھ گئے۔ بنک بیلنس ہی چیک کرتے رہتے ہیں کہ آج اتنے ملیں۔ بالآخر اوپر سے ڈاک آنا ہی بند ہوگئی۔ چنانچہ پھر کہتے نظر آتے ہیں کہ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ مٹی کو ہاتھ لگاتے تھے تو وہ سونا بن جاتی تھی اور آج تو سونے کو ہاتھ لگائیں وہ مٹی بن جاتا ہے۔ کسی نے کچھ کر دیا ہے۔ جی! بالکل یہ آپ نے خود ہی تو کیا ہے۔ آپ کی تو بہترین نوکری لگی تھی کہ اللہ کے بندوں کو ان کا حصہ پہنچاؤ کتنا پہنچانا تھا؟ پورے مال میں سے اڑھائی فیصد۔ زکوٰۃ پورے مال میں سے اڑھائی فیصد ادا کرنے کا حکم ہے۔

سبحان اللہ! ہم نے دیکھا کہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ بڑے کی نوکری کریں۔ چنانچہ چھوٹی کمپنی کے بجائے بڑی کمپنی کی نوکری کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ بلکہ بڑی کمپنی کے

بجائے کسی ملٹی نیشنل کمپنی کی نوکری کرنے کو زیادہ پسند کرتے ہیں تا کہ زیادہ منافع اور سہولیات ملیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ہم سب سے بڑے کی نوکری کریں۔ سب سے بڑی کی نوکری یہ کہ جو اللہ نے مال دیا، گن گن کر اس کی زکوٰۃ نکالیں، اللہ وہ پروردگار ہے جو اڑھائی فیصد مال غریبوں تک پہنچانے کے بدلے امیروں کو ستانوے فیصد تنخواہ عطا فرماتا ہے۔

اتنا زیادہ عطا کرنے والا کوئی مالک دیکھا ہے جو 97.5 فیصد تنخواہ عطا کرے۔ اور کام صرف یہ ہے کہ تم میرے دیے ہوئے مال سے اڑھائی فیصد (اڑھائی فیصد) میرے محتاج اور ضرورت مند بندوں تک پہنچا دو۔

اب جو بندہ اڑھائی فیصد (اڑھائی فیصد کو بھی لے کر بیٹھ جائے تو پھر اس کے بجائے اللہ تعالیٰ یہ کام کسی اور کے ذریعے سے کروا لیتے ہیں۔ یعنی اس کو معزول کر کے کسی اور کی ڈیوٹی لگا دیتے ہیں۔

ایک مرتبہ رابعہ بصریہ کے پاس مہمان آ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ خادمہ نے کہا: جی! کوئی بندہ کھانا لایا ہے۔ فرمایا: گنو کہ کتنی روٹیاں لایا ہے؟ اس نے کہا: نو روٹیاں ہیں۔ وہ فرمانے لگیں: اس کو کہہ دو کہ یہ میرا حصہ نہیں ہے، کھانا لانے والے کو کہہ دو کہ وہ چلا جائے۔ چنانچہ وہ چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد دوبارہ دروازے پر دستک ہوئی۔ خادمہ نے پھر کہا: جی! کوئی بندہ کھانا لایا ہے۔ فرمایا: روٹیاں گنو۔ اس نے کہا: جی نو۔ فرمایا: یہ میرا حصہ نہیں، اس کو بھی بھیج دو، یہ کسی اور کا ہے۔

پھر تھوڑی دیر کے تیسری مرتبہ دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ خادمہ نے کہا: جی! پھر کوئی بندہ کھانا لایا ہے۔ فرمایا: گنو کتنی ہیں۔ بتایا گیا: جی نو روٹیاں فرمایا: یہ میرا حصہ نہیں، اس

سے کہو: چلا جائے۔

بالآخر خادمہ نے پوچھا: جی آپ کیوں نہیں لے رہیں، مہمان بھی تو ہیں، لے لیں۔ اب رابعہ بصریہ نے اصل حقیقت بتائی۔ فرمایا: آج صبح میرے پاس ایک روٹی تھی، سائل آیا تھا، میں نے اللہ کی رضا کے لیے وہ ایک روٹی دے دی، میرے اللہ کا وعدہ ہے کہ:

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا

ایک نیکی کے بدلے دس گنا ملے گا اس لیے نو روٹیاں میری نہیں ہو سکتیں۔ یہ سن کر خادمہ نے ہاتھ جوڑ دیے کہ مجھے بھی بھوک لگی ہوئی تھی۔ اس لیے ایک روٹی میں خود رکھ رہی تھی۔ وہ اصل میں دس ہی ہیں۔ اللہ اکبر اللہ کے وعدوں پر ایسا کامل یقین ہونا چاہیے۔

حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی نے آٹا گوندھا۔ تنور جلانے کے لیے لکڑیاں کاٹنے گئی تو پیچھے سے سائل آ گیا۔ اس نے کہا: بڑا محتاج ہوں، اللہ کے لیے کچھ دے دو...... اللہ والوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب کوئی "اللہ کے لیے" کہتا ہے تو پھر وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو کھول دیتے ہیں...... چنانچہ انہوں نے وہ آٹا اٹھا کر اس سائل کو دے دیا۔

جب بیوی لکڑیاں لے کر آئی تو اس نے حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: آٹا کہاں ہے؟ کہنے لگے: میں نے روٹیاں پکنے کے لیے بھیجا ہے۔ ابھی ان کی بیوی نے آگ تنور میں پوری نہیں جلائی تھی کہ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ بیوی نے پوچھا: کون ہو؟ دروازے پر کھڑے آدمی نے روٹیاں بھی دے دیں اور سالن بھی دے دیا۔ بیوی خوش خوش واپس آئی اور کہنے لگی: جی! آپ نے کیا روٹیاں پکانے کے لیے بھیجی تھیں، پکانے والے نے سالن بھی ساتھ بھیج دیا ہے۔

اللہ کے راستے میں خرچ کرنے میں ایک حلاوت ہے۔ وہ حلاوت جس کو مل جائے اس کو پھر کمی کی فکر نہیں ہوتی۔ وہ سب غموں سے آزاد ہو جاتا ہے۔

④ دین کی خاطر ہجرت کرنا:

رزق کی کشائش کے لیے اگلا نسخہ ''دین کی خاطر ہجرت کرنا'' ہے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً﴾

''اور جو اللہ کے راستے میں ہجرت کرے گا اسے جائے پناہ بھی ملے گی اور رزق بھی کی وسعت بھی ملے گی''

⑤ تقویٰ اختیار کرنا:

رزق بڑھانے کی اگلی کنجی ''تقویٰ اختیار کرنا'' ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ﴾

''اور اگر یہ بستی دیسوں والے ایمان لاتے' اور تقوی کو اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے''

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

﴿لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ﴾

''ہم ان کو وہ نعمتیں کھلاتے جو اوپر آسمان سے اتارتے ہیں اور وہ نعمتیں کھلاتے جو نیچے زمین سے نکالتے ہیں''

ایک اور جگہ پر ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾

''جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک مخرج بنا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو ایسی طرف سے رزق دیتا ہے کہ جس کا وہم وگمان ہی نہیں ہوتا''

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''عَلَیْكَ بِتَقْوَی اللّٰهِ فَاِنَّهَا جُمَّاعُ كُلِّ خَیْرٍ''

''تقویٰ اختیار کرو، یہ تمام خوبیوں کا جامع ہے''

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ایک عجیب بات ارشاد فرماتے تھے۔ فرماتے تھے:

اِتَّقِ اللّٰهَ فَمَا رَأَیْتَ تَقِیًّا مُحْتَاجًا

''اللہ کا تقوی اختیار کرو، میں نے آج تک کسی متقی بندے کو محتاج نہیں دیکھا''

کہ در در کے دھکے کھاتا پھرے اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا پھرے۔

آپ بتائیے، آپ نے بھی بڑی دنیا دیکھی، سمجھدار ہیں، عقلمند ہیں، تعلیم یافتہ ہیں، آپ نے اپنی زندگی میں کسی حافظ باعمل، یا عالم باعمل کو بھوکا پیاسا ایڑیاں رگڑتے مرتے دیکھا تو بتا دیجیے۔ آپ ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکتے۔ البتہ ہم نے اپنی زندگی میں پی ایچ ڈی ڈاکٹر...... تعلیم کی دنیا میں یہ سب سے بڑی ڈگری ہے...... پی ایچ ڈی ڈاکٹروں کو بھوک پیاس کی وجہ سے ایڑیاں رگڑتے مرتے دیکھا ہے۔ ہم یہ تو بتا سکتے ہیں کہ نیکی تقویٰ کی لائن میں زیادہ کھا کر مر گئے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ زیادہ کھجوریں کھانے کی وجہ سے موت آ گئی۔ یہ نہیں بتا سکتے کہ بھوکے پیاسے مر گئے۔ کہتے ہیں نا کہ جی یہ طلبا کہاں سے کھائیں گے۔ بھئی! جہاں سے انبیا کھاتے تھے وہیں سے ان کے جانشین بھی کھائیں گے۔ تو موٹی سی بات ذہن میں رکھیے کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ کی وجہ سے رزق کے دروازے کھول دیتے ہیں۔

⑥ کثرتِ عبادت:

اگلا نسخہ ''کثرت عبادت'' ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

یَا ابْنَ اٰدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِیْ اَمْلَأُ صَدْرَكَ غِنًی وَاَسُدُّ فَقْرَكَ

"اے اولادِ آدم! تو اپنے آپ کو میری عبادت کے لیے فارغ کر لے، میں تیرے سینے کو غنا سے بھر دوں گا اور تیرے فقر کو بند کر دوں گا"

کتنے کھلے اور صاف لفظوں میں (Laoud and clear) بتایا جا رہا ہے کہ عبادت کرو، غنا عطا فرما دیں گے اور ہم تمہارے فاقے کے راستے بند کر دیں گے۔

اس کی مثال یوں سمجھیے کہ ایک دفعہ ہم نے ایک عام گھوڑے کی قیمت کا پتہ کیا تو بیس سے پچیس ہزار روپے میں ایک گھوڑا مل جاتا تھا۔ اور ایک ہوتے ہیں دوڑ جیتنے والے گھوڑے، ان کی قیمت لاکھوں میں تھی۔ ہمارے ایک بہت ہی قریبی چوہدری صاحب بتانے لگے: ہمارے ایک گھوڑے کی قیمت پچیس لاکھ لگی......اب اگر اس پچیس لاکھ والے گھوڑے کے مالک کے پاس کوئی جائے اور کہے کہ جی آپ مجھے گھوڑا دے دیں، میں نے اسے گدھا گاڑی میں استعمال کرنا ہے تو وہ ہنس کے کہے گا، جناب! کیا تمہارا دماغ ٹھکانے پر ہے، دوڑ کا مقابلہ جیتنے والے گھوڑے کو گدھا گاڑی میں باندھو گے؟

جس طرح دنیا دار انسان دوڑ کا مقابلہ جیتنے والے گھوڑے کو گدھا گاڑی میں باندھنا پسند نہیں کرتا، اللہ کی قسم! اللہ رب العزت دین پہ چلنے والوں کو دنیا کی گدھا گاڑی میں باندھنا پسند نہیں فرماتے۔

⑦ کثرتِ حج وعمرہ:

رزق کی فراخی کے لیے اگلی کنجی "کثرت سے حج اور عمرہ کرنا" ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا:

وَمَا اِمْعَرَّ حَاجٍ قَطُّ

"اور کثرت سے عمرہ اور حج کرنے والا محتاج نہیں ہوتا"

پوچھنے والے نے پوچھا:

وما الامعار؟

''اس کا کیا مطلب ہے؟''

فرمایا: ماافتقر ''اس کا مطلب ہے کہ اس کو غیر کی محتاجی نہیں رہتی''

حدیث پاک میں ہے:

اَلنَّفَقَةُ فِی الْحَجِّ کَا النَّفَقَةِ فِی سَبِیْلِ اللّٰہ اَلدِّرْھَمُ بِسَبْعِ مِأَةِ ضِعْفٍ

''حج میں خرچ کرنا، اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کی طرح ہے، ایک درہم کے بدلے میں سات سو درہم ملتے ہیں''

ایک اور حدیث میں ہے:

''حج میں ایک درہم خرچ کرنا، چار کروڑ درہم کے برابر ہے''

⑧ صلہ رحمی:

رزق بڑھانے کی ایک اور کنجی ''صلہ رحمی'' ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُزَادَ فِیْ عُمُرِہٖ وَیُزَادَفِیْ رِزْقِہٖ فَلْیَصِلْ رَحِمَہٗ (بخاری)

''جو بندہ یہ چاہے کہ میری عمر زیادہ ہو اور میرا رزق زیادہ ہو، اس کو چاہیے کہ رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک روا رکھے''

آج اگر رزق کی شکایتیں زیادہ ہیں تو دوسری طرف معاملات بھی دیکھو۔

......بہن سے نہیں بولتے

......بھائی سے نہیں بولتے

......پھوپھو سے لڑائی

......چچا سے لڑائی

......ماں سے نہیں بولتے

......باپ سے نہیں بولتے

حتی کہ ان کے گھر سے کھانا نہیں کھاتے، پانی نہیں پیتے، کہیں وہ کچھ پڑھ کے نہ پلا دیں۔ شریعت جن رشتے ناتوں کو جوڑنے کا حکم دیتی ہے۔ وہ انہی رشتوں کو توڑتے پھرتے ہیں۔

﴿وَيَقْطَعُوْنَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ أَنْ يُّوْصَلَ﴾

جب ہم اپنے رشتے ناتوں کا خیال نہیں کریں گے تو گویا ہم خود اپنے رزق کے دروازے بند کریں گے۔ ہاں! اگر دین کا کوئی ایسا معاملہ ہے تو سلام دعا تو سب کے ساتھ رکھیے، سلام کرنا، حال احوال پوچھنا، یہ تو لازم ہے۔ زیادہ قرب کا تعلق رکھنا یا نہ رکھنا، یہ بندے کا اپنا اختیار (Choice) ہوتا ہے۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں فرمایا:

مَنْ سَرَّهٗ أَنْ يُمَدَّ لَهٗ فِي عُمُرِهٖ وَيُوْسَعَ لَهٗ فِي رِزْقِهٖ وَتُدْفَعَ عَنْهُ مِيْتَةَ السُّوْءِ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ وَلْيَصِلْ رَحْمَه (ترمذی)

"جسے یہ بات اچھی لگے کہ اس کی عمر بڑی ہو اور اس کے رزق کو اللہ کھلا کر دے اور اللہ اسے بری موت سے بچالے، اسے چاہیے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور صلہ رحمی کرے"

⑨ کمزوروں سے حسنِ سلوک کرنا:

کشائش رزق کا اگلا نسخہ "کمزوروں سے حسن سلوک کرنا" ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَعَلَّكُمْ تُرْزَقُوْنَ بِضُعَفَائِكُمْ﴾

یعنی جو تم میں سے کمزور ہوتے ہیں ان کی وجہ سے تم کو رزق ملتا ہے۔اور ہماری یہ حالت ہے کہ ہم ان پر خرچ کرتے ہوئے پریشان ہوتے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ رب کریم نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَاتَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَامِنْ دَآبَّةٍ﴾

''اور اگر اللہ تعالیٰ عملوں کے اوپر پکڑ فرماتے تو زمین کے اوپر کوئی جاندار باقی نہ بچتا''

ہمیں جو مل رہا ہے وہ کونسا ہمارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے۔ کیا پتہ کس فقیر (بھکاری) کی دعا لگ گئی ہو، کسی کمزور کی دعا لگ گئی ہو، ہم نے کسی کی اخلاقی نصرت (Moral support|) کی ہو اور اس کی دعا لگ گئی ہو، کسی کے غم میں اس کا ساتھ دیا اور اس کی دعا لگ گئی ہو۔۔ دین اسلام کی خوبصورتی دیکھیے۔ آج کون ہے جو یہ کہہ سکے کہ ہمارا دین یہ تعلیم دیتا ہے کہ تم اپنے کمزوروں کا خیال رکھو۔

⑩ اللہ پر توکل کرنا:

فراخی رزق کا اگلا عمل ''اللہ پر توکل کرنا ہے'' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾

''اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے، اللہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے''

اسکی تفصیل حدیث مبارکہ میں یوں آئی ہے:

لَوْاَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطُّيُوْرَ تَغْدُوْ خِمَاصًاوَتَرُوْحُ بِطَانًا

''اگر تم اللہ پر ایسے توکل کرو جیسے توکل کرنے کا حق ہے تو اللہ تمہیں رزق ایسے دے گا جیسے پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ گھر سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور واپس پیٹ

بھرے ہوئے ہوتے ہیں"

⑪ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا:

وسعتِ رزق کا اگلا عمل "اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا" ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

لَا یَرْزُقُ اللّٰہُ عَبْدًا الشُّکْرَ فَیُحْرِمُہُ الزِّیَادَۃَ لِاَنَّ اللّٰہَ یَقُوْلُ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ

"جس بندے کو شکر کرنے کی توفیق مل جائے اس کا رزق کم نہیں ہوتا کیونکہ اللہ کا وعدہ ہے کہ جو شکر ادا کرتا ہے میں اس پر نعمتوں کو اور زیادہ کر دیتا ہوں"

عمر بن عبدالعزیز کا ایک خوبصورت قول ہے:

قَیِّدْنِعَمَ اللّٰہِ بِشُکْرِ اللّٰہِ

"اللہ کی نعمتوں کو شکر ادا کر کے قید کرلو"

جس نے اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرلیا، اس نے اللہ کی نعمتوں کو قید کرلیا۔ یعنی وہ نعمتیں اس کے پاس ہی رہیں گی۔

ابن عطا اسکندری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم بہت معروف ہیں۔ ہمارے بزرگ علما رمضان المبارک میں اس کی مستقل مجالس کیا کرتے تھے۔ ان کے حکم کو پڑھیں تو یوں لگتا ہے کہ اللہ نے اس امت میں بھی لقمان علیہ السلام کا ایک نمونہ پیدا کر دیا تھا۔ کیا عجیب باتیں کہیں ہیں:

شکر کے بارے میں ان کا ایک قول ہے۔ جنہیں عربی زبان کا تھوڑا سا بھی ذوق حاصل ہوگا اس کو پڑھ اور سن کر وجد آئے گا۔ یہ جامعہ الازہر کے استاد بھی رہے تھے۔ اس جامعہ کو جو پوری دنیا میں ایک مقام ملا، وہ ایسے ہی متقی اور باخدا بزرگوں کی وجہ سے ملا......

وہ فرماتے ہیں:

مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النِّعَمَ فَقَدْ تَعَرَّضَ لِزَوَالِهَا

''جو نعمت کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اپنی نعمتوں کو چھن جانے کے لیے پیش کرتا ہے''

یعنی وہ اللہ سے کہتا ہے اے اللہ! مجھ سے یہ نعمت چھین لے۔

اور آگے فرماتے ہیں:

وَمَنْ شَكَرَهَا فَقَدْ قَيَّدَ بِعِقَالِهَا

''اور جو شکر ادا کرتا ہے وہ ان نعمتوں کو نکیل ڈال کے اپنے پاس قابو کر لیتا ہے''

تو شکر ادا کر کے اللہ کی نعمتوں کو نکیل ڈال لیجیے۔

⑫ اہل خانہ کو سلام کرنا:

اس سے اگلا عمل جس سے رزق بڑھتا ہے وہ ''اہل خانہ کو سلام کرنا'' ہے۔ یعنی جب آدمی اپنے گھر جائے تو اپنے اہل خانہ کو سلام کرے۔ اب بتائیے کہ یہ کتنا چھوٹا سا عمل ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

ثَلَاثَةٌ كُلُّهُمْ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ اِنْ عَاشَ رُزِقَ وَكُفِيَ وَاِنْ مَاتَ دَخَلَ الْجَنَّةَ رَجُلٌ دَخَلَ بَيْتَهٗ بِسَلَامٍ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ

''تین آدمی ایسے ہیں جن کی ضمانت اللہ نے لی، اگر وہ زندہ رہے گا تو اس کو اللہ ایسا رزق دے گا جو اس کے لیے کافی ہوگا، جب مرے گا تو سیدھا جنت میں جائے گا (ان تینوں میں سے ایک بندہ وہ بھی ہوگا) جو اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اپنے اہل خانہ کو سلام کرے''

یہ کتنا چھوٹا سا عمل ہے۔ اب بتائیے کہ اس عمل پر رزق کا دروازہ کھلنے کا کتنا بڑا وعدہ ہے۔ اور ہوتا کیا ہے؟ دفتروں میں دوستوں کے سامنے بڑے کھلکھلا کے ہنس رہے ہیں

گھر میں قدم رکھا اور پارہ ہائی۔ خود کہتے ہیں: حضرت: پتہ نہیں کیا ہوتا ہے کہ جب گھر آتا ہوں تو پارہ چڑھ جاتا ہے۔ یہ آگ شیطانیت ہے۔ اصل میں شیطان بندے کے اوپر سوار ہو جاتا ہے۔ اس کو گدھا ملا ہوا ہوتا ہے، لہٰذا وہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے اس گدھے پر چھلانگ لگا کر بیٹھ جاتا ہے۔

نبی علیہ السلام کا عمل دیکھیے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی علیہ السلام جب بھی گھر میں داخل ہوتے، مسکراتے چہرے کے ساتھ آتے تھے اور اہل خانہ کو سلام کیا کرتے تھے۔ اتنے سے عمل سے رزق کی پریشانی ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ اکبر کبیرا

یہی حکم بیوی کے بارے میں بھی ہے کہ جیسے خاوند باہر سے آ کر سلام کرے، بیوی بھی اس کو اسی طرح شگفتہ چہرے سے جواب دے۔

⑬ والدین کی فرمانبرداری:

پھر اگلا عمل ''والدین کی فرمانبرداری'' ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ پانچ چیزوں سے رزق زیادہ ہوتا ہے۔

① صدقہ پر مداومت

② صلہ رحمی

③ جہاد

④ ہمیشہ باوضو رہنا

⑤ والدین کی فرمابرداری کرنا

ہاں اگر والدین دین سے روکتے ہیں تو وہ خود اپنے مقام سے گر جاتے ہیں۔ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِی مَعْصِیَةِ الْخَالِق

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے ساتھ بدتمیزی کی جائے۔نہیں ایسا ہرگز نہ کیا جائے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک بندہ ملا جو مستجاب الدعوات تھا۔مستجاب الدعوات اس بندے کو کہتے ہیں جس کی ہر دعا قبول ہو۔وہ کہتے ہیں کہ مجھے بڑی تمنا ہوئی کہ پتہ چلے کہ اس کا کون سا عمل ہے جس کی وجہ سے اس کو یہ مقام ملا۔میں نے اس سے کہا کہ میں آپ کے ساتھ کچھ دن گزارنا چاہتا ہوں۔وہ مجھے گھر لے گیا۔میں نے دیکھا کہ اس کے گھر میں دو سور بندھے ہوئے ہیں۔یہ دیکھ کر میں بڑا حیران ہوا۔یہ اللہ والا کیسا ہے کہ اس نے گھر میں سؤر پالے ہوئے ہیں۔میں دیکھتا کہ وہ پہلے سؤروں کو چارہ ڈالتا اور بعد میں وہ خود کھانا کھاتا تھا۔تیسرے دن میں نے پوچھ ہی لیا کہ مجھے آپ کے اس عمل کی سمجھ نہیں آئی۔اس نے کہا کہ یہ میرے والدین ہیں، یہ ایسے گناہ کے مرتکب ہوئے کہ اللہ نے ان کو انسان سے سؤر بنادیا۔اگرچہ یہ اپنے گناہوں کی وجہ سے اس انجام کو پہنچے ہیں، لیکن یہ میرے تو والدین ہیں نا۔میں ابھی بھی ان کو گھر میں رکھتا ہوں۔خیال کرتا ہوں ان کو چارہ پہلے ڈالتا ہوں، بعد میں خود کھانا کھاتا ہوں میرے اس عمل کی وجہ سے اللہ نے مجھے مستجاب الدعوات بنادیا ہے۔

اگر ماں باپ مشرک بھی ہوں تو ان کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا

''اس دنیا میں تم ان کے ساتھ اچھی زندگی گزارو''

اور اگر ماں باپ کلمہ گو اور نیک ہوں تو سبحان اللہ! پھر تو ان کی خدمت کرو اور اپنے اللہ کی رحمتوں کو حاصل کرو

⑭ دوامِ طہارت:

اگلا عمل ''دوامِ طہارت'' ہے۔ یعنی ہمیشہ باوضو رہنا۔ حدیث مبارکہ سنیے:

شَكٰى بَعْضُ الصَّحَابَةِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم الْفَاقَةَ

''بعض صحابہ نے نبی علیہ السلام سے فاقہ کی شکایت کی''

فَقَالَ دُمْ عَلَى الطَّهَارَةِ يُوْسِعُ عَلَيْكَ الرِّزْقَ

نبی علیہ السلام نے فرمایا: تم ہمیشہ باوضو رہنے کی کوشش کرو، اللہ تمہارے رزق کو وسیع کر دیں گے''

یہ بھی بہت آسان ہے۔ جب وضو ٹوٹے، اسی وقت نیا وضو کر لو۔ الحمد للہ! جن لوگوں کو ہمیشہ باوضو رہنے کی عادت ہے ان کی پوری زندگی باوضو گزرتی ہے۔

اس میں ایک نکتہ بھی ہے۔ ایک تو یہ وضو شیطان سے بچنے کا ہتھیار ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((اَلْوُضُوْءُ سَلَاحُ الْمُؤْمِنْ))

''وضو مومن کا ہتھیار ہے''

یہ دشمن سے بچنے کے لیے ہتھیار ہے۔ آپ باوضو رہنے کی کوشش کریں۔ اس ایک عمل کی وجہ سے آپ دیکھیں گے کہ شیطانی وساوس کم ہو جائیں گے۔ یہ باوضو رہنے کی برکت ہے۔

ایک دوسری برکت بھی ہے۔ وہ یہ کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

كَمَا تَعِيْشُوْنَ تَمُوْتُوْنَ

''تم جس حال میں زندگی گزارو گے، اسی حال میں تمہیں موت آئے گی''

جو زندگی بھر باوضو رہنے کی کوشش کرے گا، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اسے باوضو

مرنے کی توفیق بھی عطا فرمادیں گے۔ چنانچہ جو چاہتا ہے کہ اسے باوضو موت آئے تو وہ زندگی میں وضو کا اہتمام کرے۔

⑮ چاشت کی نماز پڑھنا:

رزق میں اضافے کا ایک اور عمل "چاشت کی نماز پڑھنا" ہے۔ یہ صلاۃ الضحیٰ کہلاتی ہے۔ نو دس بجے جب سورج اتنا بلند ہو جائے کہ گرمی کی وجہ سے اونٹ کے پاؤں جلنے لگیں، اس وقت یہ نماز پڑھی جاتی ہے۔ یہ وقت کاروبار کے عروج کا وقت ہوتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرا بندہ مجھے کسی حال میں بھی نہ بھولے، مجھ سے غافل نہ ہو، اس لیے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس وقت میں دو رکعت نماز پڑھ لو گے تو تمہارے رزق کو ہم وسیع فرمادیں گے۔ چنانچہ عورتوں کو چاہیے کہ جب وہ مردوں کو دفتروں میں یا بزنس پر بھیجیں تو بعد میں دو رکعت پڑھ کر دعائیں مانگیں: اے اللہ! میرا خاوند رزق حلال کے لیے گھر سے چلا گیا، میں تیرے سامنے ہاتھ اٹھاتی ہوں، تو اس کی محنت میں برکت ڈال دے۔ اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں برکت ڈال دیں گے۔ اس لیے کہ یہ نماز رزق کو کھینچتی ہے اور فقر کو بھگا دیتی ہے۔

⑯ سورت واقعہ کی تلاوت:

ایک اور عمل سنیے۔ ہر رات میں سورہ واقعہ کا پڑھنا رزق کو وسیع کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیمار تھے۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ بیمار پرسی کے لیے آئے۔ پوچھا: أَلَكَ حَاجَةٌ؟ کسی چیز کی ضرورت ہے؟ فرمایا: لَا ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا: میں کچھ ہدیہ دے دیتا ہوں۔ فرمایا: ضرورت نہیں۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ کا بیٹا کوئی نہیں، ساری بیٹیاں ہیں، ان بیٹیوں کو فائدہ ہوگا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یقین اتنا بنا ہوا تھا کہ فرمایا "میں نے اپنی بیٹیوں کو سورۃ واقعہ سکھائی ہے وہ ہر رات کو سونے سے پہلے پڑھتی ہیں۔

اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَرَءَ سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ كُلَّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ اَبَدًا

''جو بندہ ہر روز رات کو سونے سے پہلے سورہ واقعہ پڑھے اسے کبھی فاقہ نہیں آ سکتا''

⑰ دعا کرنا:

اگلا عمل ''دعا کرنا ہے۔ ایک صحابیؓ نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں اپنی پریشانی کا اظہار کیا کہ میں مقروض ہوں۔ قرضے میں ڈوب گیا ہوں۔ نبی علیہ السلام نے ان کو یہ دعا سکھلائی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ

وہ صحابیؓ کہتے ہیں:

فَقُلْتُ ذٰلِكَ فَاَذْهَبَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ هَمِّىْ وَقَضٰى عَنْ دَيْنِىْ

''میں نے اس دعا کو پڑھا اور اللہ نے میری پریشانی کو بھی دور کر دیا اور میرے قرضے کو بھی اتروا دیا''

اس دعا کو یاد کر کے ہر نماز میں [illegible] معمول بنا لیجیے۔

مالی تنگی دور کرنے کا نسخہ:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے اوپر مالی تنگی آ گئی اور اسی فکر کی حالت میں

میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں مجھے اپنے نانا جان کی زیارت ہوئی۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: کیوں پریشان ہوتے ہو، یہ دعا پڑھ لیا کرو:

بِسْمِ اللّٰهِ عَلَى نَفْسِى وَمَالِىْ وَدِيْنِى اَللّٰهُمَّ اَرْضِنِى بِقَضَاءِ كَ وَبَارِكَ لِىْ فِيْمَاقُدِّرَلِىْ حَتّٰى لَااُحِبَّ تَعْجِيْلَ مَااَخَّرْتَ وَلَا تَاخِيْرَ مَاعَجَّلْتَ

فرماتے ہیں کہ اس دعا کو پڑھنے کے بعد مجھے اپنی بعد کی زندگی میں کبھی مالی پریشای نہیں آئی۔

یہ چند آسان سی باتیں ہیں جن پر ہم عمل کر سکتے ہیں۔تعویزوں کے پیچھے بھاگتے پھرنا یا عاملوں سے ٹوٹکے پوچھتے پھرنا' کیا ضرورت ہے اس کی؟ اللہ کے محبوب ﷺ اپنی امت کو بے سہارا چھوڑ کر نہیں گئے۔ جس جس چیز کی ضرورت تھی وہ سب کچھ بتلا دیا ہے کرنا ہمارے ذمے ہے۔ہم ان اعمال کو کریں۔

تنگدستی کے اسباب:

اس کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے اعمال بھی ہیں جن کے کرنے سے رزق بند ہوتا ہے۔ ان سے بچنے کی کوشش کریں۔ اس وقت ان کی تفصیل تو نہیں ہو سکتی تاہم وہ اعمال آپ کو بتا دیے جاتے ہیں۔احادیث مبارکہ میں ان اعمال کا تذکرہ بھی ہے جن سے رزق بند ہتا ہے

① ...... کھڑے ہو کر اور جوتے پہن کر ننگے سر کھانا کھانا۔

② ...... بیت الخلا میں ننگے سر جانا یا بیت الخلا میں بات کرنا

③ ...... مہمان کو بوجھ سمجھنا

④ ...... ہاتھ دھوئے بغیر اور بسم اللہ پڑھے بغیر کھانا کھانا

۵...... کھانے کے برتن کو بعد میں صاف نہ کرنا

۶...... مسجد کے اندر دنیا کی باتیں کرنا

۷...... فقیر (بھکاری) کو جھڑک دینا۔

۸...... مغرب کے بعد بلا عذر سو جانا

۹...... نماز قضا کر دینا

۱۰...... جھوٹ بولنا۔ یہ ایسا عمل ہے جو آج کثرت سے پھیل گیا ہے اور شیطان بد بخت نے جھوٹ کی نفرت کو کم کرنے کے لیے اس کا نام بدل دیا۔ چنانچہ لوگ کہتے ہیں جی میں نے بہانہ بنادیا ہے۔ چونکہ جھوٹ سے دل میں نفرت آتی ہے اور بہانے کے لفظ سے نفرت نہیں آتی۔ اس لیے جھوٹ کا نام بہانہ رکھ دیا۔ غیبت کا نام گپ شپ رکھ دیا۔

۱۱...... گانے بجانے میں دل لگانا۔ آج گاڑیوں کے اندر گانوں کی سی ڈیز، گھروں کے اندر ٹی وی ریڈیو کے اوپر گانوں کی بھر مار۔

۱۲...... اولاد کو برا بھلا کہنا۔ اکثر عورتوں میں عادت ہوتی ہے کہ ذرا سا غصہ آیا تو اپنی اولاد کو گالیاں دینے لگ گئیں۔ بلکہ آج تو لوگوں نے یہ وطیرہ بنالیا ہے کہ اولاد کو دین سے ہٹانے کے لیے گالیاں دیتے ہیں کہ گالیوں سے ڈر کے یہ دین کو چھوڑ دیں۔

۱۳...... قرآن مجید کو بے وضو چھونا

۱۴...... نامحرم کو دیکھنا۔ آپ ذرا سوچیے کہ یہ گناہ کتنا عام ہے اور رزق کے بند ہونے کے شکوے بھی عام ہیں۔ چنانچہ پتہ چلتا رہتا ہے کہ کن وجوہات کی بنیاد پر رزق بند ہے۔

۱۵...... اہل وعیال سے لڑتے رہنا۔ یہ بھی ہر گھر کی اسٹوری ہے۔ آج تو نیک ہوں یا بد...... یہ توں توں میں میں اکثر گھروں میں رہتی ہے۔ میاں بیوی کی بنتی نہیں اور اوپر سے رزق کے شکوے الگ ہوتے ہیں۔ بھئی! آپس میں محبت و پیار سے رہیے اور پھر

دیکھیے کہ اللہ رب العزت کیسے برکتیں عطا فرماتے ہیں۔

آپ غور کیجیے کہ ان میں سے اکثر عمل وہ ہوں گے جو ہم کرتے ہیں۔ پھر رزق کے دروازے تو خود ہم نے ہی بند کیے ہیں نا۔ تو جو اعمال احادیث مبارکہ میں رزق کی فراخی کے بتائے گئے ہیں۔ وہ کیجیے، تاکہ دروازے کھل جائیں اور وہ اعمال جن سے رزق کے دروازے بند ہوتے ہیں، ان سے بچیے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق کی کشائش کو اپنی آنکھوں سے دیکھیے۔ اللہ تعالیٰ دے کر خوش ہوتے ہیں، لے کر خوش نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بات کی سمجھ عطا فرمائے اور اس دنیا میں اللہ تعالیٰ ہمیں نیکوکاری کو مقصد زندگی بنا کر جینے کی توفیق عطا فرمائے۔ (امین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي﴾

نفس مطمئنہ

از افادات

حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

نفس مطمئنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ○ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ○ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

خیر اور شر کا مجموعہ:

جو مخلوق سراپا خیر وہ فرشتے، جو سراپا شر وہ شیطان اور جو خیر اور شر کا مجموعہ وہ حضرت انسان، ہر انسان کے نفس میں اللہ نے خیر بھی رکھی ہے اور شر بھی رکھا ہے۔ نیک ترین انسان دنیا کا ہو اس میں کوتاہی نظر آ جائے گی اور برا ترین انسان دنیا کا ہو اس میں اچھائی نظر آ جائے گی تو ہر انسان کے اندر خیر بھی ہے اور شر بھی خیر کا ماحول مل گیا تو خیر غالب آ گیا، اچھا انسان۔ شر کا ماحول مل گیا تو شر غالب آ گیا برا انسان۔ مگر حکم یہ ملا کہ اے انسان تم اپنے اوپر خیر کو غالب کرو تمہارے اندر جو برائی ہے برائی کی ٹیمپٹیشن

(Tempetation) ہے اس کو روکو اس پر قابو کر اور برائی کی ٹیمپٹیشن (Tempetation) ہونے کے باوجود تم خیر کی زندگی گزارو۔

نفس کی تین حالتیں:

چنانچہ انسانی نفس کی تین حالتیں کہلاتی ہیں ایک ہے نفس امارہ یہ نفس امارہ وہ ہے جس کے اوپر شر غالب ہوتا ہے ضمیر مردہ ہو چکا ہوتا ہے اس انسان کو ہر وقت دنیا کے موج مزے لوٹنے کی فکر لگی ہوتی ہے اس کی سوچ کی انتہا دنیا کی لذت ہے یہ دو پاؤں پہ چلنے والا ایک انسان ہوتا ہے شکل کے اعتبار سے لیکن عقل کے اعتبار سے یہ حیوان ہوتا ہے بظاہر انسان حقیقت میں حیوان معاصی میں مستغرق ہونے لگتا ہے اور صبح کو جاگتا ہے تو پہلا خیال گناہ کا اور پھر اپنے حال کے اندر یہ مست ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک صاحب ملے جن کی زندگی بہت ہی آزادی میں تھی، نہ نمازوں کی پابندی حتی کہ جمعہ کی بھی پابندی نہیں ہوتی تھی۔ وضع قطع انگریزوں والی تو سلام کے بعد اس عاجز نے ان سے پوچھا کہ کیا حال ہے تو کہنے لگا کہ جو گزر جائے واہ واہ ہے۔ اس کے الفاظ سن کر مجھے اپنے پاؤں کے نیچے کی زمین نکلتی ہوئی نظر آئی۔ میں نے کہا یا اللہ ایسی زندگی اور اس پر اتنا مست ہے یہ بندہ کیا کہتا ہے جو گزر جائے واہ واہ ہے۔ یہ نفس امارہ کی پہچان ہے ایسا انسان نیک لوگوں کو ہمیشہ چشم ابلیس سے دیکھتا ہے نیک لوگوں میں بھی کوئی نہ کوئی برائی نکال لیتا ہے انسان کو انسانوں کے پیمانے میں تولو فرشتوں کے پیمانے میں کیوں تولتے ہو۔ تم یہ دیکھو کہ اس بندے کے اندر جو پوٹینشل (Potential) ہے اگر برائی پہ استعمال ہوتا تو یہ کتنا برا بن جاتا اور اگر یہ نیکی کی طرف ہے تو چلو اللہ کا شکر ادا کرو کہ نبی علیہ السلام کی امت کا ایک بندہ نیکی پر لگ گیا ہے۔ نیک لوگوں کو چشمِ ابلیس سے دیکھنا یہ نفس امارہ کی خصوصیت ہے۔

نفس امارہ کی علامتیں:

اس نفس امارہ کی کچھ اور بھی علامتیں ہیں' شہوت کے غلبہ کے وقت یہ بے عقل جانور کی مانند آپ نے دیکھا ہے جانوروں کو، مرغیوں میں کوئی مرغا پھر رہا ہے، بکریوں میں کوئی بکرا پھر رہا ہے، جب اس کے اوپر شہوت سوار ہوتی ہے، نہ وہ دن دیکھتا ہے نہ وہ رات دیکھتا ہے، نہ وہ مجمع دیکھتا ہے اور نہ کچھ اور اس کو اپنی شہوت پوری کرنی ہوتی ہے۔ تو نفس امارہ کی یہ بھی پہچان ہوتی ہے اس نفس امارہ والے کو اگر غصہ آ جائے تو یہ غصے کی حالت میں اندھا، بے صبرا ایک آدمی ہو۔ اور وہ بے صبرا ہو جائے تو جو حرکتیں اس وقت وہ اندھا آدمی کرتا ہے بالکل اس انسان کا غصے میں یہی حال ہوتا ہے اندھے، بے صبرے کی مانند بھوک کی حالت میں درندہ درندے کو بھوک لگی ہے اس کو تو جانور کاٹ کھانا ہے چاہے کوئی بھی ہو عیش کی حالت میں یہ فرعون بے اون ''انا ربکم الاعلیٰ'' سخاوت کے وقت اس کی حالت قارون بخیل کی مانند کہ دین کے راستے میں خرچ کرنا اسے مصیبت نظر آتی ہے، شجاعت کے وقت میں یہ بزدل ہوگا اور ضرورت کے وقت میں یہ خود غرض ہوگا غرض نکلی منہ پھیرا۔

دنیا مطلب دی او یار

اس کا یہی حال ہوتا ہے اگر کوئی مطلب ہوگا تو گدھے کو بھی باپ کہہ دے گا مطلب نکل گیا تو کون میں کون۔ تو مصیبت کے وقت میں یہ شکوے کرنے والا اللہ تعالیٰ نے نعمتیں کتنی دی ہیں اس طرف دھیان نہیں جاتا جو نہیں ملا بس اسی کے تذکرے۔ بیٹے کو یہ نہ ملا بیٹی کو یہ نہ ملا ہمیں یہ نہ ملا وہ نہ ملا، شکوے ہی شکوے اس کی زبان پر اور نعمت ملتی ہے تو ناشکرا اتنی توفیق نہیں ملتی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نعمتیں دی ہیں تو میں اس کی حمد بیان کردوں اس کی تعریف کروں اس کے بارے میں دو لفظ اچھے بول دوں۔

جی بس گزارہ ہے:

ایک صاحب ان کا اتنا چھا کاروبار تھا کہ وہ اپنے گھر کے علاوہ چالیس اور گھروں کے لوگوں کی وہ پرورش کر سکتا تھا اتنا مال تھا ایک ملاقات میں اس عاجز نے پوچھا جی کیا حال ہے کیسا کام ہے؟ کہنے لگا: کہ جی بس گزارہ ہے، اتنا دل میں غصہ آیا کہ اللہ اس کے دو تھپڑ لگا کے پوچھے کہ تمہیں تمہاری ضرورت سے اتنا اللہ نے دیا ہے اور اس خدا کی تعریف کرتے ہوئے تمہاری زبان چھوٹی ہوتی ہے۔ کیوں نہیں کہتے کہ میں اپنے اللہ پہ قربان جاؤں جس نے میری اوقات سے بڑھ کر مجھے عطا فرمایا تو یہ نفس امارہ کی پہچان ہے جتنا ملے ہر وقت ناشکرا اور گناہوں کے لیے ہر وقت تیار۔ نفس امارہ والے کی پہچان ماچس کی تیلی جیسی ہے ماچس کی تیلی کے اندر آگ بھری ہوتی ہے بس رگڑ لگنے کی دیر ہے جیسے ہی رگڑ لگی آگ بھڑکی نفس امارہ والے کو موقع ملنے کی دیر ہوتی ہے موقع ملا گناہ کا اس کا اپنا دماغ ہر وقت شیطانی سوچوں میں لگا رہتا ہے ایسے لگتا ہے کہ شیطان ان سے فارغ ہو جاتا ہے اب میرا کام یہ خود ہی کر رہا ہے مجھے کیا ضرورت ہے تکلیف اٹھانے کی۔ یہ نفس امارہ کی پہچان ہے۔

نفسِ لوامہ کی پہچان:

اگر انسان اس نفس کے اوپر محنت کر لے اور کچھ اس کا ضمیر بیدار ہو کچھ احساس اس کے اندر پیدا ہو تو نفس کی حالت بہتر ہونے کے بعد تو اس کو کہتے ہیں نفس لوامہ۔ نفس لوامہ کس کو کہتے ہیں؟ ملامت کرنے والا نفس کہ گناہ کے موقع پر وہ گناہ تو کر لے گا بعد میں پچھتائے گا کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا مثلاً کسی کا دل تو دکھایا اب بعد میں پھر محسوس کیا یار برا کیا تو معافی بھی مانگ رہا ہے اس سے یہ پچھتاوا لگ جانا یہ نفس لوامہ کی پہچان ہے اور ہم سے اکثر احباب اس زمرے سے تعلق رکھتے ہیں احساس بھی ہوتا ہے کہ مجھے ایسا

نہیں کرنا چاہیے تھا۔

آدمی گناہ کیوں کرتا ہے؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر آدمی گناہ کرتا کیوں ہے؟ تو علما نے لکھا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے چار اجزاء سے پیدا کیا ہے آگ، پانی، ہوا اور مٹی۔ آگ کی فطرت ہے کہ اس کے اندر بلندی ہے، اونچائی ہے تو اس کی وجہ سے انسان کے اندر تکبر آتا ہے ذرا کچھ ملا حالات سازگار ہوئے تو بس دماغ آسمان پر پہنچ گیا۔ ع

ہم بدلتے ہیں رخ ہواؤں کا دنیا ہمارے ساتھ چلے

خدا کے لہجے میں بولنا شروع کر دیتے ہیں تو یہ جز آگ کی وجہ سے اس کے اندر بہت جلدی میں بن جاتا ہے یہ آتشی مادے کی وجہ سے ہے تو اس انسان کے اندر پانی بھی ہے، پانی کو آپ دیکھیں تو یہ بہتا ہے ایک جگہ نہیں ٹھہرتا جریان ہے اس کے اندر بہتا ہے انسان کے اندر بھی اسی طرح اس کا دل ایک جگہ پہ نہیں ٹکتا آج یہ پسند ہے کل وہ پسند ہے پھر یہ پسند ہے پھر وہ پسند ہے اس آبی مادے کی وجہ سے اس کے اندر حرص اور زناء کی خواہش پیدا ہوتی ہے شادی بھی ہوگئی مگر آنکھیں پھر بھی میلی ہیں۔ گھر سے کھانا کھا کے نکلا ابھی بھی بھوک ہے یہ حوس اس پانی کے مادے کی وجہ سے ہے۔ اس کو ایک جنگل سونے کا بنا ہوا دے دیا جائے تو یہ کہے گا کہ ایک جنگل اور بھی ہوتا ایک جنگل اور بھی دے دیں تو تمنا کرے گا اس کا بنانے والا بھی میں ہوتا۔ تو حرص اس پانی کے جز کی وجہ سے اس کے اندر ہے ایک ہے ہوا آگ پانی ہوا اور مٹی۔ ہوا کی وجہ سے اس کے اندر انا آتی ہے یہ اپنے سوا کسی کو کچھ سمجھتا ہی نہیں اس کے لیے اللہ کے ساتھ شرک کرنا، دین کو نہ ماننا، کفر کے کلمے بولنا یہ سارا اس ہوائی مادے کی وجہ سے ہے ہوا بھر جاتی ہے نا۔

مٹی کی خاصیت:

اور چوتھا جز ہے خاک خاک کے اندر پستی بھی ہے اور بخیلی بھی ہے لہٰذا حُب دنیا خاکی مادے کی وجہ سے ہے اور بخیلی بھی خاکی مادے کی وجہ سے ہے تو اجزاء کی وجہ سے یہ چیزیں انسان کے اندر موجود ہیں جن کا ظہور ہوتا رہتا ہے وقتاً فوقتاً تو نفس امارہ اتنا بڑا لیکن یہ اچھا بن سکتا ہے اگر اس پر محنت کی جائے چھوڑ دے تو یہ جانوروں سے بدتر اور اگر سنواریں تو یہ اتنا سنورتا ہے کہ یہ فرشتوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیتا ہے تو جو سب سے برا نفس ہے اس کو نفسِ امارہ کہا گیا اور جو تھوڑا سنور جاتا ہے اس کو نفس لوامہ کہتے ہیں۔ جو بندہ اپنے کیے پر پچھتائے وہ نسبتاً بہتر انسان ہے کہ پچھتاوا تو ہے ضمیر تو زندہ ہے کچھ اندر سے آواز تو آتی ہے نا اس انسان کو بگاڑنے والی دو چیزیں ہیں ایک اس کا نفس جو اندر سے بگاڑتا ہے اور باہر سے اس کو شیطان بگاڑتا ہے اور یہ دونوں میسج بھیجتے رہتے ہیں یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ وسوسہ نفس کی طرف سے ہے یا شیطان کی طرف سے وساوس تو دونوں طرف سے آتے ہیں کس کی طرف سے یہ وسوسہ آیا ہے۔

وسوسۂ شیطانی یا نفسانی کی پہچان:

علما نے اس کی پہچان یہ لکھی ہے کہ اگر ذہن میں گناہ کا وسوسہ پیدا ہوا اور آپ گناہ کی طرف مائل نہ ہوں بلکہ اسے روکیں تو، تھوڑی دیر بعد دوسرے گناہ کا وسوسہ اچھا یہ نہیں کرنا تو یہ کرلو اگر گناہ کا وسوسہ بدلتا چلا جائے تو یہ پہچان ہے کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے وہ کہتا ایک نہیں کرنا گناہ تو دوسرا کرلو وہ نہیں کرنا، تو تیسرا کرلو، کہیں نہ کہیں کرلو اور اگر اسکو روکنے کی وجہ سے اسی گناہ کا خیال بار بار دل میں آئے ضد آئے ضد تو سمجھ لو کہ یہ وسوسہ شیطان نہیں نفس کی طرف سے ہے نفس ضدی بچے کی مانند ہے ضد کرتا ہے کہ مجھے بس یہی چاہیے تو اس سے دونوں میں فرق معلوم ہوتا ہے کہ یہ وسوسہ شیطان کی طرف سے تھا یا یہ

وسوسہ انسان کے نفس کی طرف سے تھا۔تو یہ لٹمس ٹیسٹ ہے وسوسے کو ماپنے کے لیے تاہم انسان کے ذہن میں اچھے خیال بھی آتے ہیں برے خیال بھی اچھے خیال رحمان کی طرف سے اور برے خیال شیطان کی طرف سے ہمیں کیسے پتہ چلے کہ یہ اچھا خیال ہے یا برا خیال ہے۔

تین اہم پوائنٹ:

اس بارے میں تین پوائنٹ اچھی طرح ذہن نشین فرمالیں پہلی بات کہ اپنے خیال کو ہمیشہ شریعت کے ترازو پر تولا کریں اگر ہمارا وہ خیال شریعت کے مطابق ہے تو یہ خیر کا خیال ہے اور اگر شریعت کا خیال نہیں ہے تو یہ شر کا خیال ہے تو سب سے پہلی چیز ترازو شریعت کئی مرتبہ دنیا کے کاموں میں خیالات آتے ہیں تو پتہ نہیں چلتا کہ بھئی اب یہ ٹھیک ہے یا نہیں ہے تو علما نے لکھا کہ دوسری پہچان اس کی یہ ہے کہ تم یہ دیکھو کہ صالحین کا یہ طریقہ ہے یا نہیں اگر اس خیال میں جو کام ہے وہ صالحین کے طریقہ کے اوپر ہے تو یہ خیر کا خیال ہے اور اگر یہ صالحین کا طریقہ نہیں ہے فاسقین کا طریقہ ہے تو یہ شر کا خیال ہے اور اگر یہ بھی پتہ نہ چلے نہ پتہ چل رہا ہے شریعت کا حکم کیا ہے نہ پتہ چل رہا ہے یہ طریقہ فاسقین کا ہے، یا صالحین کا ہے۔تو فرمایا یہ پتہ چلاؤ کہ نفس کے اوپر بوجھ ہے یا نہیں اگر نفس پہ کرنا آسان تو یہ شیطان کی طرف سے ہوگا اور اگر نفس کے اوپر بوجھ تو پھر یہ سمجھیں کہ یہ رحمان کی طرف سے ہوگا۔یہ تین ایسے میجر پوائنٹ ہیں جن سے پرکھ کر آپ یہ محسوس کرسکتے ہیں کہ یہ خطرہ خیر کا ہے یا شر کا۔یہ رحمان کی طرف سے ہے یا شیطان کی طرف سے۔

الہام اور وسوسہ میں فرق:

ایک سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ کئی مرتبہ انسان کے ذہن میں وسوسہ بھی پیدا ہوتا ہے اور کئی مرتبہ اسے الہام بھی ہوتا ہے تو پتہ کیسے چلے دونوں میں فرق یہ ہے کہ جب

انسان کے دل پر الہام ہوتا ہے تو اس کی طبیعت میں ساتھ ہی اطمینان ہوتا ہے اور وسوسے کے ساتھ ہمیشہ انسان کے دل کے اندر انتشار رہتا ہے تو ان دونوں کو پہچانو اگر دل میں کسی خیال کے ساتھ طبیعت کی طمانینت بھی نصیب ہوگئی، اطمینان ہوگیا تو یہ خیال رحمان کی طرف سے ہے اور اگر انتشار ہے، طبیعت کے اندر تو یہ شیطان کی طرف سے ہے۔

نفسِ لوامہ بہتر کیسے بنے؟

اب یہ نفس لوامہ اور بہتر کیسے بنے؟ اس کے لیے محنت کی ضرورت ہے اور اس محنت کا نام ہے ذکر ہمارے مشائخ اتباع سنت اور کثرتِ ذکر کے ساتھ انسان کو انسان بناتے ہیں۔

چنانچہ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اندر ابتداء میں لطائف کے اسباق ہیں انسان جب ذکر کر لیتا ہے تو اس کے فکر کے مراقبے شروع ہو جاتے ہیں تفکر غور کرنا سوچنا ہر بندہ تفکر کر سکتا ہے مگر اس تفکر کے مختلف انداز ہیں ایک ہے۔

تفکر فی الذات:

تفکر فی ذات اللہ کی ذات کے اندر سوچنا اس کے بارے میں منع ہے اس لیے کہ عقل چھوٹی ہے اللہ کی ذات سمجھ سے بالاتر ہے اب سنار کے ترازو میں کوئی کوہ ہمالیہ پہاڑ کو تولنے بیٹھے، بے وقوف ہی کہلائے گا۔ اسی طرح ہم چھوٹی سی عقل سے اپنے رب کو سمجھنے بیٹھ جائیں سمجھ ہی نہیں سکتے۔

تفکر در صفات:

ایک ہے تفکر فی الصفات اللہ تعالیٰ کی صفات میں غور کرنا یہ جائز ہے یہ عبادت ہے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

جتنا اللہ کی صفات پر غور کرتے چلے جائیں گے اللہ رب العزت کی عظمت کھلتی چلی جائے گی اسی طرح اگر نبی علیہ السلام کے کمالات میں غور کرنا شروع کر دیں گے کہ آپ علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے کیا کیا کمالات عطا فرمائے تو آپ کی اتباع آسان ہو جائے گی۔

تفکر در انعامات:

ایک ہے تفکر در انعامات اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور کرنا اس میں غور کرنے سے انسان کے اندر شکر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اندھا پیدا نہیں کیا، بہرہ پیدا نہیں کیا، گونگا پیدا نہیں کیا، مجنون بے عقل پیدا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے پیدائشی طور پر ہمارے اعضاء کو سلامت رکھا کوئی ایسی بیماری نہیں دی جو انسان کے لیے برداشت کرنی مشکل ہو جن لوگوں کو سانس کی تکلیف ہوتی ہے بیچاروں کو جب اٹیک ہوتا ہے تو اللہ اکبر اندر کا سانس اندر اور باہر کا سانس باہر یہ سانس کتنے آرام کے ساتھ اندر جاتا ہے اور کتنی سپیڈ کے ساتھ باہر آتا ہے کتنے لوگ ہیں کھا نہیں سکتے ایک عورت نے دعا کے لیے فون کیا کہنے لگی کہ معدے کے السر کی مریضہ ہوں سات سال سے گھر میں سب مہمانوں کا کھانا میں بناتی ہوں مگر سات سال میں کوئی لقمہ میں اپنے منہ میں نہیں ڈال سکی صرف لیکوڈ پی کے گزارا کرتی ہوں احساس ہوا اللہ یہ بھی تیرا کتنا کرم ہے۔ ایک دوست ہمیں ملنے کے لیے آئے ڈاکٹر تھے ہم نے ان کے لیے بستر لگوایا وہ کہنے لگے کہ جی ہمیں بستر کی ضرورت نہیں ہے میں بیٹھ کر سوؤں گا پوچھا کیا مطلب کہنے لگے مجھے ایک بیماری ہے کہ اگر میں لیٹ کے سوؤں تو منہ کے رستے میرے پیٹ کا سارا کھانا باہر آتا ہے ہمارے کھانے

کی لائن میں اللہ تعالیٰ نے ایک والو رکھا ہے فلیپر ہے جو نیچے کی طرف کھلتا ہے جب کھانا نکلنے لگتا ہے تو بند ہو جاتا ہے صحت مند بچہ الٹا لٹک جائے کھانا کھا کے تھوڑی دیر کے لیے تو کھانا باہر نہیں آتا وہ والو روکتا ہے اور جب وہ لیک ہو جاتا ہے تو اندر کا کھانا باہر۔ کہنے لگا کہ میں لیٹ کر سونے کی نعمت سے محروم ہوں اس کو دیکھ کر اس دن احساس ہوا کہ یا اللہ گھنٹوں لیٹ کر جو ہم سوتے ہیں یہ تیری کتنی بڑی نعمت ہے تو اللہ کے انعامات پر غور کریں گے تو اللہ پر قربان ہونے کو دل چاہے گا۔ جس پروردگار نے بن مانگے یہ نعمت عطا فرمائی۔

تفکر فی ایام اللہ:

ایک ہے تفکر فی ایام اللہ یہ ہے کہ نافرمان لوگوں نے اللہ رب العزت کی نافرمانی کی تو اللہ رب العزت نے ان کا کیا حشر کیا؟ اس پر غور کریں فرعون کے ساتھ یہ ہوا، قارون کے ساتھ یہ ہوا، فلاں کے ساتھ یہ ہوا۔:

﴿وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَّعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُّكْرًا فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا﴾

تو جب اس پر غور کریں تو ہمارا دل کانپتا ہے کہ یا اللہ ہماری پکڑ نہ فرمالینا تو گناہوں کو چھوڑنے کو جی چاہتا ہے۔

تفکر فی مابعد الموت:

ایک ہے تفکر فی مابعد الموت موت کے بعد کیا ہوگا اس پر غور کرنا چنانچہ مراقبہ موت بعض بزرگ سکھاتے ہیں سلسلہ عالیہ چشتیہ میں تو مستقل سبق ہے یہ

ایک دن مرنا ہے آخرت موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

کیسے کیسے گھر اجاڑے موت نے
کھیل کتنوں کے بگاڑے موت نے
سروقد کیا کیا پچھاڑے موت نے
فیل تن قبروں میں گاڑے موت نے
اک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے
ایک دن آئے گا ہم اس دنیا سے چلے جائیں گے

تفکر دراحوال:

ایک ہے تفکر دراحوال کہ انسان اپنے حالات پر غور کر لے یہ ہمارے نقشبندیہ سلوک میں تلقین کرتے ہیں اس کو عربی زبان میں کہتے ہیں:

''حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا''

کہ اپنے حساب سے پہلے اپنا محاسبہ کرلو آج دنیا میں ہر جگہ آڈٹ ہوتا ہے جو دفاتر ہیں بڑے بڑے تو آڈیٹرز کے آنے سے پہلے پہلے وہ لوگ انٹرنل آڈٹ کرتے ہیں اس انٹرنل آڈٹ کا دوسرا نام محاسبہ ہے کہ ان کے آنے سے پہلے دیکھ لو کہ مجھے کیا ہونا چاہیے تھا اور میں کیا کرتا پھر رہا ہوں۔

نفسِ مطمئنہ کی پہچان:

جب انسان ذکر کرتا ہے، اتباع سنت کرتا ہے تو پھر اس کا نفس جو ہے وہ نفس مطمئنہ بن جاتا ہے اس کو ایمان اور اطاعت میں راحت ملتی ہے نفس مطمئنہ کے لیے مکروہات شرعیہ مکروہات طبیعہ بن جاتی ہیں جن چیزوں سے شریعت کراہیت فرماتی ہے نفس بھی ان سے کراہیت کرتا ہے۔ شریعت پر بے ساختگی کے ساتھ عمل کرتا ہے یہ نفس مطمئنہ کی پہچان

ہے تاہم اس میں بھی ولایت کے درجے ہیں ایک ہے سب سے کم درجہ نفس مطمئنہ کا وہ کیا ہے؟ انسان کے ذہن میں معاصی کے خطرات تو آتے ہیں اور طبیعت میں میلان بھی آئے گا مگر وہ اس پر عمل نہیں کرتا۔ خطرات بھی موجود میلان بھی موجود لیکن وہ اس پر عمل نہیں کرتا تو شریعت کی نظر میں وہ گناہ گار نہیں ہے۔ جب تک عمل نہ کرے اس کے اوپر اس کو کہتے ہیں مجاہدے کا درجہ یہ مجاہدے کا مقام ہے۔ کہ یہ بندہ مجاہدے کے ساتھ شریعت کے ساتھ چپکا ہوا ہے یہ سب سے پہلا درجہ ہے اس کے اوپر ایک درجہ ہوتا ہے اس میں معاصی کے خطرات تو موجود ہوتے ہیں میلان نہیں ہوتا خیال آتے ہیں مگر ٹیمپٹیشن نہیں ہوتی طبیعت میں اس کے عمل کا تقاضا نہیں ہوتا اگر یہ کیفیت موجود ہے تو یہ حفاظت کا درجہ کہلاتا ہے کہ اب یہ ''ولی'' اللہ کی حفاظت میں آ گیا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ﴾

''کہ شیطان بد بخت! میرے کچھ ایسے بندے ہیں جن پر تیرا کوئی داؤ نہیں چل سکتا''

یہ محفوظ ہوتے ہیں گناہوں سے اللہ ان کی حفاظت فرماتے ہیں تو یہ حفاظت کے درجے میں لوگ آجاتے ہیں سالک جب اپنے قلب کو فنا کے مقام تک پہنچا دیتا ہے تو وہ اس درجہ میں آجاتا ہے اسی لیے مشائخ نے فرمایا:

اَلْفَانِیْ لَایَرُدُّ

فانی واپس نہیں لوٹتا

وہ پوائنٹ آف نو ریٹرن ہے تو پہلا درجہ تھا مجاہدے کا اس کے اوپر انوارات قلب میں آئے اور نفس جو ہے بہتر ہو گیا تو اس کو حفاظت کا درجہ مل گیا ایک اس سے بھی اوپر کا

درجہ ہے وہ انبیا کو حاصل ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں عصمت کا درجہ یہ مقام انبیا علیہم السلام کو حاصل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ گناہ کو ان سے دور کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یوسف علیہ السلام کے بارے میں:

﴿کَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْءَ وَالْفَحْشَاءَ﴾

ہم نے ان سے برائی اور فحش کو دور کر دیا۔ گناہوں کو اللہ پرے کر دیتا ہے م میرے اس مقرب بندے کے قریب بھی نہیں جا سکتے۔ تو پہلا درجہ مجاہدے کا، دوسرا درجہ حفاظت کا اور تیسرا درجہ عصمت کا۔ محنت کرنے پر انسان کو یہ درجہ مل سکتا ہے چونکہ ولایت ایسی چیز ہے اور جتنا ولایت کا مقام بڑھتا چلا جائے گا اتنا اعمال کا اجر بڑھتا چلا جائے گا چونکہ اعمال کا اجر قرب کے حساب سے ہے۔ جتنا مقرب ہوگا اتنا اسکا اجر زیادہ اور سب سے بڑی نعمت اللہ کا قرب ہے۔

دلیل:

اسکی دلیل سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ لیٹی ہوئی ہیں آسمان کے ستاروں پر نظر پڑی تو انہوں نے نبی علیہ السلام سے سوال پوچھا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! کوئی ایسا بندہ بھی ہے کہ جس کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہوں تو نبی علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔ کون؟ فرمایا: عمر ؓ۔ تو ام المومنین رضی اللہ عنہا خاموش ہو گئیں تو خاموش دیکھ کر نبی علیہ السلام نے فرمایا عائشہ خاموش ہو گئیں تم سوچ رہی ہو گی کہ میرے ابو کا نام نہیں لیا؟ اے اللہ کے نبی ﷺ ایسے ہی تھا۔ فرمایا ابو بکر ؓ نے میرے ساتھ غار میں جو تین راتیں گزاریں ان میں سے ایک رات کا اجر ان نیکیوں سے زیادہ ہے تو معلوم ہوا کہ جتنا قرب بڑھتا جاتا ہے اتنا اجر بھی اللہ رب العزت کی طرف سے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس لیے فرمایا:

﴿حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ﴾

اور اللہ رب العزت کے ہاں قرب کی کوئی حد نہیں کہ اتنا موقع حد ہے، جب اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب ﷺ کو فرما رہے ہیں:

﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾

تو جب معرفت کی انتہا نہیں تو ولایت کی بھی کوئی انتہا نہیں یہ نعمت فقط انسان کو حاصل ہے فرشتوں کو حاصل نہیں ہے فرشتوں کی روحانی ترقی ایک خاص حد تک ہے۔

﴿وَمَامِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ﴾

ایک مد ہے ان کی انسان پر اللہ کی رحمت دیکھو کہ سبحان اللہ کہ یہ اپنے آپ کو بنائے تو یہ اتنا اونچا اٹھتا ہے کہ یہ فرشتوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔

پاکیزہ زندگی کا راز:

تو شریعت نے جو ہمیں احکام دیے ہمارے فائدے کی خاطر دیے پابندیاں لگا دینے سے اللہ کا فائدہ نہیں ہے اس میں بندے کا اپنا فائدہ ہے اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے پاکیزہ زندگی گزاریں۔ شریعت انسان کو پاکیزہ کر دیتی ہے جسم کو بھی اور اس کے من کو بھی۔ یہ عجیب لطف کی بات ہے جتنا شریعت کے مطابق عمل ہوتا جائے گا اتنا زندگی پاکیزہ ہوتی جائے گی اور اس کی دلیل قرآن عظیم الشان، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

کہ ہم نے جو شریعت کے احکام دیے تمہیں مشکل میں ڈالنا اس کا مقصد نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ تم پاک ہو جاؤ۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ تو انسان احکام شریعت پر محبت کے ساتھ عمل کرے۔ بھئی دیکھیں بچے کو ماں دھو رہی ہوتی ہے صابن لگا رہی ہوتی ہے بچہ تو

روہی رہا ہوتا ہے نا تو ماں ظالم تو نہیں نا۔ ماں کو تو پیار ہے وہ نجاست نہیں دیکھ سکتی اسکے بدن پر۔ یہ حال شریعت کا کہ شریعت نجاست پسند نہیں کرتی ہمارے جسموں پر، گناہوں کی ہو یا ظاہر کی اس لیے شریعت کہتی ہے کہ تم اپنے آپ کو پاک کرو ہم کہتے ہیں کہ نماز مشکل فلاں مشکل فلاں مشکل کچھ مشکل نہیں ہے اس سے انسان خود پاک ہوتا ہے اور پھر اگر اس کے دل میں اللہ کی یاد آ جائے تو زندگی پوری عبادت بن جاتی ہے۔

جو دم غافل سو دم کافر:

ہمارے بزرگوں نے کہا کہ جو دم غافل سو دم کافر۔ جو سانس غفلت میں گزر گیا سمجھو وہ سانس کفر کی حالت میں گزر گیا۔ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک پرندہ پالا ہوا تھا ایک دن اس کو چھوڑ دیا تو کسی نے پوچھا کہ حضرت بڑے شوق سے پرندہ پالا ہوا تھا چھوڑ کیوں دیا کہنے لگا اس نے مجھ سے کہا کہ جنید چھوڑ دو میں ایک نصیحت کروں گا آپ کو میں نے نصیحت کی طلب میں اسکو چھوڑا جب پنجرے سے نکالا تو میں نے پوچھا کہ نصیحت کیا کرتے ہو کہنے لگا جب تک پرندہ اللہ کا ذکر کرتا رہتا ہے وہ آزاد رہتا ہے اور جب وہ غافل ہوتا ہے تو اس کو پنجرے میں بند کر دیا جاتا ہے۔ میں غافل ہوا تھا اس لیے تم نے مجھے پنجرے میں بند کر دیا مگر جنید رحمۃ اللہ علیہ میں جاتے ہوئے نصیحت یہ کر رہا ہوں کہ میں تھوڑی دیر غافل ہوا تو مجھے اتنی جیل کاٹنی پڑی تم جو غفلت کی زندگی گزارتے ہو تمہیں کتنی جیل کاٹنی پڑے گی۔ اللہ اکبر جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ پرندے کو یاد کرتے تھے غفلتوں میں دن گزر رہے ہیں، غفلتوں میں راتیں گزر رہی ہیں۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ کا تقویٰ:

اس دنیا میں بہت نیک پاکیزہ لوگ گزرے ہیں پانچ انگلیاں برابر نہیں ہوتیں ہم اگر نہیں بن پائے مگر بہت سے لوگ ایسے ہیں جو بن کے گئے ہیں۔ اس دنیا میں، تقویٰ کی

زندگی طہارت کی زندگی، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہیں۔ بیٹا بھی پاس ہے ایک بوڑھی عورت آئی میں مسئلہ پوچھنے آئی ہوں کہ میں سوت کاتتی ہوں تو ایک رات چاند کی روشنی میں میں سوت کات رہی تھی کہ ہماری گلی میں سے بادشاہ کی سواری گزری اور اس سواری کے ساتھ روشنی سر پر اٹھائے ہوئے لوگ بھی جا رہے تھے مجھے پہلے خیال نہ آیا میں سوت کاتتی رہی، جب وہ گزر گئے تو مجھے خیال آیا، اوہو میں نے تو ان کی روشنی میں سوت کاتا اور روشنی سے فائدہ اٹھایا تو اب یہ سوت میرے لیے جائز ہے یا نہیں یہ حاکم کا مال تھا اور حاکم کا مال تو ظلم سے لیا ہوا مال ہوتا ہے تو بے دھیانی میں میں نے جو سوت کاتا اب اس کا استعمال میرے لیے جائز ہے یا ناجائز امام صاحب نے فرمایا تیرے لیے ناجائز ہے چلی گئی تو بیٹے نے کہا: ابوجی! اس بات پر آپ نے ناجائز ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ فرمایا: ہاں۔ پوچھنے والی کا مقام ایسا تھا مگر یہ دیکھو کہ یہ کس گھر کی عورت ہے تو بیٹا پیچھے چلا گیا آگے گیا تو وہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں داخل ہو گئیں معلوم ہوا کہ وہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی بہن ہے تو امام صاحب نے کہا کہ اس گھر سے یہ توقع تھی کہ اس گھر کی عورتوں میں اللہ نے ایسا ہی تقویٰ اور پرہیزگاری رکھی ہے ایسی زندگیاں بھی لوگ گزار کے چلے گئے۔

داؤد بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی کا تقویٰ:

ایک دفعہ حاکم نے بلخ کے لوگوں پر عتاب کیا کسی وجہ سے اس نے کہا کہ ان لوگوں پر ایک نیا ٹیکس لگاؤ اور اتنا پیسہ انکو کہو کہ یہ فوراً خزانے میں بھیجیں یہ سزا کے طور پر تھا اب بلخ کے لوگوں میں اتنی سکت ہی نہیں تھی۔ کہ وہ اتنا پیسہ دے سکیں، سب پریشان تھے تو ایک صاحب تھے ان کا نام تھا داؤد بلخی رحمۃ اللہ علیہ تاجر تھے ان کی بیوی ان سے بھی زیادہ نیک تھی۔ جب اس کو پتہ چلا کہ یہاں کے لوگ تو اتنے پریشان ہیں کہ اتنی قیمت خزانے میں بھجوانی ہے اور وہ بھجوا نہیں سکتے تو اس نے کیا کیا کہ اپنا جتنا زیور اور مال تھا سب دے دیا اور خط

لکھا حاکم کو کہ بلخ کے غریب لوگوں میں تمہارا ٹیکس ادا کرنے کی طاقت نہیں اب اس کے بدلے میں میں اپنا پورا زیور وہ آپ کو بھیج رہی ہوں اس نے کپڑے میں پورا زیور جو کلو کے حساب سے تھا سارا بادشاہ کو دے دیا اور جب بادشاہ کو ملا رقعہ پڑھا تو اس کو حیا آئی کہ ایک عورت تو ان کا اتنا احساس کرے اور میں بادشاہ ہو کے انکو اس قدر مشقت میں ڈالوں، اس نے کہا کوئی بات نہیں میں نے ٹیکس معاف کیا یہ اس کو واپس کر دیا جائے تو جب وہ زیور اس عورت کے پاس واپس لایا گیا تو اس کو کہا گیا کہ بادشاہ نے کہا ہے کہ یہ ٹیکس میں نہیں لیتا یہ اس کو واپس کر دو اس نے ایک بات پوچھی کیا بادشاہ نے میرا زیور دیکھا تھا اس نے کہا ہاں بادشاہ نے زیور کھول کے دیکھا تو تھا کہنے لگی جس زیور پر بادشاہ کی نظر پڑ چکی اب اس زیور کا میرے لیے پہننا جائز نہیں اس نے اس زیور سے بلخ میں پھر ایک بہت بڑی مسجد بنوائی ایسا تقوی تھا عورتوں میں ۔ایک فاسق آدمی کی اک نظر جس زیور پر پڑ گئی اس نے اس زیور کو پہننا پسند نہیں کیا۔ جب انسان کا دل بیدار ہو تو پھر اس کو اپنی مغفرت کے لیے فکر لگی ہوتی ہے پنجابی میں کہتے ہیں ''ترلے لینا'' وہ بیچارا ترلے لیتا پھر رہا ہوتا ہے کوئی سبب بن جائے، میرا اللہ مجھے معاف کر دے، فکر ہوتی ہے دن رات کوشش میں لگا ہوتا ہے۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا عمل:

معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں وفات ہوئی کسی کے خواب میں آئے پوچھا ان سے کہ حضرت آگے کیا بنا؟ تو فرمانے لگے کہ اللہ نے میری مغفرت کر دی۔ حضرت کس عمل پر مغفرت ہوئی۔ کہنے لگے: ایک دن میں نفلی روزے سے تھا اور گزر رہا تھا کہ ایک سکہ پانی بیچنے والا تھا تو خریدنے والا کوئی نہیں تھا تو وہ صدا دے رہا تھا جو مجھ سے پانی کا گلاس لے کر پی لے اللہ اس کے گناہوں کی بخشش فرما دے کہنے لگے اگرچہ میں روزے سے تھا میں نے دل میں سوچا کہ روزہ تو میں کل بھی قضا کر لوں گا مجھے اس پانی بیچنے

والے کی دعا تو مل جائے گی، صرف اس نیت سے میں نے پانی خرید کر روزہ افطار کیا اللہ نے اس سکے کی دعا کی وجہ سے میری بخشش فرمادی۔ تو جب دل بیدار ہو اور احساس ہو تو اللہ رب العزت کی رحمت ہوتی ہے گناہ تو انسان کر لیتا ہے لیکن اگر گناہ کرے تو پھر معافی بھی مانگے کئی مرتبہ تو گناہ کی معافی مانگنے پر اللہ رب العزت انسان کو معاف ہی نہیں کرتے بلکہ گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرمادیتے ہیں۔

ایک شرابی کا واقعہ :

چنانچہ کتابوں میں ایک شرابی کا واقعہ لکھا ہے، فاسق وفاجر تھا شرابی کبابی تھا۔ محلے والوں نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ ہم اس کا نہ جنازہ پڑھیں گے نہ اس کی تدفین میں شریک ہوں گے۔ اللہ کی شان اسے موت آ گئی بیوی نے لوگوں کی منت سماجت کی کہ اللہ کے بندو اس کے جنازے کی فکر کرو انہوں نے کہا کہ شرابی تھا اتنا بدکار آدمی تھا ہم اس کا جنازہ نہیں پڑھتے۔ بڑی پریشان ہوئی چنانچہ اس نے ان کو کہا کہ قبر میں اس کو دفن تو کرنا ہی ہے نا تو تم میرا ساتھ دو کہ میں ایک طرف سے اٹھا لیتی ہوں۔ اس کی چارپائی اٹھا کر قبرستان تو پہنچاؤ نا وہ کوئی ایک دو قریبی رشتہ دار تھے انہوں نے اس کی مدد کی۔ اس نے جا کر قبر کے قریب چارپائی اس کی ڈال دی پاس بیٹھ گئی یہ تو بیچاری بیوی تھی کیا کرتی اللہ کی شان کہ پہاڑی تھی اور پہاڑی کے اوپر ایک بڑے نیک بزرگ رہ رہے تھے۔ اس نیک بزرگ نے دوپہر کے قیلولہ میں خواب دیکھا کہ اسے کہا گیا کہ میرا ایک بندہ ہے جس کی میں نے مغفرت کر دی تم اس کی جنازہ کی نماز پڑھو وہ نیچے اترا اور اس عورت سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ چارپائی پر اس نے کہا کہ میرا خاوند ہے شرابی کبابی تھا اور محلے والے کوئی اس کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہتے اس بزرگ نے کہا اچھا میں اس کا جنازہ پڑھاؤں گا تم اطلاع دے دو لوگوں کو جب اس بزرگ کا نام لیا گیا کہ جنازہ پڑھانے کے لیے وہ بزرگ آ رہے ہیں تو محلے

والے سارے جمع ہو کر آ گئے وہ تو بہت بڑے بزرگ تھے خیر انہوں نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور اس طرح اس بدکار آدمی کو دفن کیا گیا جب دفن کر لیا گیا تو جو بزرگ نیچے اترے تھے انہوں نے اس کی اہلیہ کو کہا کہ مجھے یہ بتاؤ اس کی کون سی خوبی تھی جو اللہ کو پسند آئی۔کوئی تو خوبی ہوگی نا جو مجھے یہ اشارہ ہوا اور اس کا جنازہ پڑھانے کا کہا گیا۔ پہلے تو بیوی نے کہا کہ کوئی خوبی نہیں تھی بدکار آدمی تھا شرابی تھا نشے میں مست رہتا تھا۔ جب انہوں نے بار بار کہا تو پھر سوچ کر کہنے لگی کہ ہاں ایک اس کے اندر خوبی تھی جب صبح کے وقت اس کا نشہ ٹوٹتا تھا تو اس وقت وہ اللہ سے رو کے دعا مانگتا تھا کہ اللہ میں بڑا بدکار ہوں پتہ نہیں تو مجھے جہنم کے کس گوشے میں ڈالے گا اے اللہ میں بہت گناہ گار ہوں میں نہیں جانتا کہ تو مجھے جہنم کے کس گوشے میں ڈالے گا ان بزرگوں نے کہا کہ یہ تیرے خاوند کا رونا اللہ کو پسند آ گیا جس کی وجہ سے اللہ نے اس کی بخشش فرمادی۔تو اللہ رب العزت ہمیں اپنے نفس پر محنت کرنے کی اور نیک بن کر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ﴾

پردہ اور دعا

از افادات

حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

پردہ اور دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

نبی علیہ السلام کے احسانات:

نبی علیہ السلام کے ہم پر بہت زیادہ احسانات ہیں۔ ہم سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک نبی ﷺ کے احسانات میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

کسی شاعر نے کیا اچھی بات کہی:

وہ جو شیریں سخنی ہے میرے مکی مدنی
تیرے ہونٹوں سے چھنی ہے میرے مکی مدنی
تیرا پھیلاؤ بہت ہے، تیرا قامت ہے بلند!
تیری چھاؤں بھی گھنی ہے میرے مکی مدنی

نسل در نسل تیرے ذات کے مقروض ہیں ہم
تو غنی، ابن غنی ہے میرے مکی مدنی

تو سچی بات ہے کہ ہم نسل در نسل اپنے پیارے محبوب جہاں حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقروض ہیں۔ان کے احسانات میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

ہم اللہ سے کیسے مانگیں؟

ان کے احسانات میں سے ایک یہ کہ انہوں نے ہمیں اللہ رب العزت سے مانگنا سکھایا کہ ہم کیسے مانگیں تو دعا قبول ہو جائے۔

ایسی ایسی دعائیں سکھائیں کہ اگر نبی علیہ السلام وہ دعائیں نہ مانگتے تو عام آدمی کی عقل کی پرواز ہی اتنی نہیں تھی کہ وہ ایسی دعائیں مانگ سکتا۔لہٰذا یہ جو مسنون دعائیں ہیں یہ اللہ رب العزت کی رحمت کے دروازوں کو کھلوانے کی کنجیاں ہیں۔

خوب صورت مثال:

آپ نے کئی دفعہ تاجر کو دیکھا ہوگا کہ چابیوں کا گچھا اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔کوئی چابی کسی دروازے کو کھولتی ہے،کوئی چابی کسی دروازے کو کھولتی ہے۔جب بھی مسنون دعاؤں کو دیکھا کریں تو یہی تصور کیا کریں کہ یہ مسنون دعائیں، یہ چابیوں کا گچھا ہے۔ کوئی دعا کوئی دروازہ کھلوا دیتی ہے،کوئی دعا کوئی دروازہ کھلواتی ہے۔اگر ہم ان تمام چابیوں کو لگانا سیکھ لیں تو اللہ کی ہر نعمت ہمیں نصیب ہو جائے۔

اب ذرا غور کریں کہ ایک آدمی ایک چابی سے ایک تالے کو کھول چکا۔اگر وہ آپ کو چابی دے کہ جی تالا کھولیں، آپ چابی لگائیں اور پھر کہیں جی تالا نہیں کھل رہا۔تو وہ جواب میں یوں کہے گا کہ آپ کو چابی لگانی نہیں آرہی۔آپ بار بار کوشش کر کے کہیں کہ چابی سے تالا نہیں کھلتا، وہ کہے گا، یہ کیسے ممکن ہے؟ یہی چابی، اسی دروازے کو جب ایک مرتبہ

کھلوا چکی تو اب یہ دروازہ آخر کیوں نہیں کھل رہا؟ لگتا ہے تمہارے چابی کے لگانے میں کوئی فرق ہے۔ تمہیں چابی لگانی نہیں آ رہی۔

دعا کی قبولیت کا راز:

بالکل اسی طرح جتنی بھی مسنون دعائیں ہیں یہ اللہ رب العزت کے پیارے حبیب ﷺ کی زبان مبارک سے نکلیں اور اللہ کی طرف قبولیت کے دروازے کو کھلوا چکیں۔ آج ہم اگر ان دعاؤں کو مانگتے ہیں اور قبولیت کے آثار نظر نہیں آتے تو معلوم ہوتا ہے ہمیں لگانے کا طریقہ نہیں آ رہا۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے:

"قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ"

تو میت، مردہ تھوڑی دیر کے لیے کھڑا ہو جاتا تھا۔ آج ہم اگر وہی الفاظ کسی میت کے سامنے کہیں تو وہ ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ تو معلوم یہ ہوا کہ الفاظ تو وہی ہیں۔ جو کہنے والے کی کیفیت ہے اس میں فرق ہے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی قلبی کیفیت جو تھی آج ہماری کیفیت کا اس کے ساتھ کوئی تناسب ہی نہیں ہے۔ اگر ہمارے دل میں بھی رجوع الی اللہ ہو توجہ الی اللہ ہو، اللہ رب العزت کی محبت سے دل لبریز ہو اور پھر ہمارے تڑپتے دل سے وہ دعا نکلے تو اس میں بھی قبولیت ہو سکتی ہے۔ لہٰذا کیفیت کا فرق ہے۔

دعا کی قبولیت کی شرائط:

ہمیں ان مسنون دعاؤں کو اس کیفیت کے ساتھ مانگنا چاہیے۔ جس کیفیت کے ساتھ اللہ رب العزت کے پیارے حبیب ﷺ نے دعا مانگی۔

اس لیے کہتے ہیں کہ جب انسان کا پیٹ حرام سے خالی ہو اور دل غیر سے خالی ہو تو اس کی زبان سے نکلی ہوئی ہر دعا اللہ کے ہاں قبول ہو جاتی ہے۔ ہم اپنی دعاؤں پر غور کریں

جب دل ہی غیر میں اٹکا ہوا ہے۔ مٹی کے کھلونوں میں اٹک گیا، اس کی محبت، اس کی محبت، اور پیٹ میں حرام لقمہ چلا گیا، اب زبان کے اندر سے نکلی ہوئی دعا پرواز کر ہی نہیں سکتی۔ پرواز ہی تب کرے گی جب پیٹ حرام سے خالی ہوگا اور دل غیر سے خالی ہوگا۔

ہم فوراً شکوے کرنے لگ جاتے ہیں جی ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں

؎ ہم الزام ان کو دیتے تھے، قصور اپنا نکل آیا

ہم بھی تو دیکھیں نا کہ ہم دعائیں مانگتے کیسے ہیں

تو اس لیے ہم ان مسنون دعاؤں کو، اگر اس کیفیت کے ساتھ مانگنے کی کوشش کریں جو کیفیت مطلوب ہے تو اس دعا کی قبولیت یقینی ہو سکتی ہے۔ اب دیکھیں ہم کئی مرتبہ مشروط دعائیں مانگتے ہیں ایسی دعائیں نہیں مانگنی چاہییں۔

اللہ رب العزت کے خزانے سے لینے کا طریقہ:

ایک بندہ جس کی اولاد نہیں، او جی! دعا کرو بس اللہ ایک بچہ دے دے۔ بھائی ایک کی شرط کیوں لگائی؟ جب مانگنا ہی ہے اللہ کے خزانے سے، تو پھر ایک کی شرط کیوں؟ مانگو اللہ سے کہ اے اللہ مجھے صاحب اولاد بنا دے۔ کئی لوگوں کو دیکھا خوش ہو کر کہتے ہیں، او جی! اللہ میری عمر بھی آپ کو لگا دے۔ بھئی اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کوئی بجٹ کی کمی ہے؟ کہ آپ کی لی جائے گی اور تب دوسرے کی بڑھائی جائے گی۔ یہ کوئی دنیاداری کا مال ہے کہ ایک مد سے نکالیں گے تو دوسرے مد میں بڑھائیں گے۔ اللہ کے خزانے سے لینا ہے تو سیدھی سیدھی دعا مانگیے۔ اللہ آپ کی عمر میں برکت ڈالے۔

اس کے لطف و کرم کے کیا کہنے لاکھ مانگو کروڑ دیتا ہے:

تو ہمارا چونکہ ظرف چھوٹا ہے ہم اس قسم کی مشروط دعائیں مانگتے ہیں۔ ایک آدمی کہنے لگا، میں تو جی اللہ سے بس ایک دعا مانگتا ہوں۔ بس مجھے اولاد دے دے، میں نے

کہا، اچھا اگر اللہ آپ کو اولاد دے دے اور آپ کے کاروبار کو اللہ تعالیٰ ختم کر دے۔ پھر بیٹھے رو رہے ہونگے نا، کہنے لگا جی۔ تو میں نے کہا: شرط کیوں لگا رہے ہو؟ کہ صرف اولاد مانگتا ہوں۔ نہیں ہم ہیں اللہ کے در کے سائل، ہم ہیں بھکاری، ہمارا تو کام ہی مانگنے سے چلتا ہے، ہم نے ہر وقت اللہ سے مانگنا ہے اور ہر ہر چیز اللہ سے مانگنی ہے۔

تو یہ مانگنے کا طریقہ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے سکھایا کہ اللہ سے مانگو تو جی کھول کے مانگو، جی بھر کے مانگو۔ کسی بندے سے نہیں مانگ رہے، بندوں کے پروردگار سے مانگ رہے ہیں اور ویسے بھی دینے والا اپنے مقام کے حساب سے دیتا ہے۔

مجھ سے اگر کوئی سائل مانگے تو ممکن ہے میں فقیر آدمی، اسے ایک روپیہ دے سکوں۔ لیکن اگر وہ کسی امیر سے مانگے گا تو وہ سو روپیہ دے دے گا۔ اگر کسی وزیر سے مانگے گا وہ ہزار روپیہ دے دے گا۔ ملک کے کسی نامی گرامی بندے سے مانگے گا وہ لاکھ روپیہ دے دے گا۔ اگر کسی عرب شہزادے سے مانگے گا تو وہاں تو Million میں بات ہوتی ہے۔

اس کا مطلب جتنی مرتبہ بڑھتا گیا اتنی ہی دَین بڑھتی گئی۔ اب سوچیے جب لوگ اپنی حیثیت کے مطابق دیتے ہیں تو اگر کوئی بندہ اللہ رب العزت سے مانگتا ہے تو وہ ذات جس نے کائنات کو پیدا کیا:

﴿لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ○وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

جس پروردگار کے پاس زمین اور آسمان کے خزانے ہیں پھر اس پروردگار کی دین کتنی بڑی ہوگی۔ تو ہم جب اللہ تعالیٰ سے مانگیں تو جی کھول کے مانگیں۔ اللہ اکبر کبیرا

دعا کی صحیح کیفیت:

ایک صحابیؓ دیہاتی علاقے کا، نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، بوڑھا تھا۔ کہنے لگا: اے اللہ کے نبی ﷺ! قیامت کے دن حساب کون لے گا؟ نبی علیہ السلام نے

فرمایا: اللہ تعالیٰ۔ خوش ہو کر کہنے لگا، اچھا۔ اگر اللہ تعالیٰ حساب لیں گے پھر تو کوئی مسئلہ نہیں وہ بڑا کریم ہے۔

تو یہ یقین کی بات ہوتی ہے۔ ہمارے بھی دل میں اگر ایسا یقین آ جائے کہ اللہ دے کر خوش ہوتے ہیں بس ہمیں مانگنے کا طریقہ نہیں آتا۔ ہم مانگتے اس طرح سے ہیں کہ جیسے دینے والے کو الٹا غصہ ہی آ جائے۔ اس لیے مسنون دعاؤں کو یاد کرنا چاہیے اور ان کو صحیح دل کی کیفیت سے مانگنا چاہیے۔

جامع دعا:

آج ایک چھوٹی سی مسنون دعا ہے جس کی ذرا وضاحت کرنی ہے۔ امید ہے آپ سب دل کے کانوں سے سنیں گی اور اس دعا کو یاد کریں گی۔ پھر اسے مانگا کریں گی اور آپ محسوس کریں گی کہ دیکھیں کتنے تھوڑے الفاظ میں اللہ کے محبوب ﷺ نے کتنی جامع دعا مانگ دی۔

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاتَ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ))

اب اس میں تین الفاظ ہیں "العفو" العافیہ" اور المعافات ذرا تینوں کا الگ الگ مطلب سمجھ لیجیے۔

العفو کے بارے میں علما نے لکھا ہے "اَلسَّلَامَةُ فِی الدِّیْنِ مِنَ الْفِتْنَةِ" کہ عفو کا معنی ہے کہ ہمارا دین فتنے سے محفوظ ہو۔

شہوات یا شبہات کے فتنے:

دین میں فتنے دو طرح سے آتے ہیں یا شہوات کی وجہ سے، یا شبہات کی وجہ سے۔

چنانچہ کئی عورتیں پردے کو بوجھ سمجھتی ہیں اور پھر بہانے بناتی ہیں اوجی پردہ تو آنکھوں کا ہوتا ہے۔ اصل میں وہ بے پردہ پھرنا چاہتی ہیں۔ اسکا جی چاہتا ہے کہ میں بن سنور کے، اچھے کپڑے پہن کے بازار کی زینت بنوں اور ادھر ادھر کے لوگ بار بار مجھے دیکھیں۔ وہ خوش ہوتی ہے، بے پردہ عورت۔ لیکن بجائے اس کے کہ وہ اپنے کو گناہ گار سمجھے۔ یوں کہے کہ جی پردہ تو شرعی حکم ہے میں کمزور ہوں ابھی میں پردہ نہیں کر پا رہی۔ اگر یوں کہے گی تو گنہگار تو ہوگی مگر بخشش کی امید ہوگی۔ آگے سے شیطان کیا کہلاتا ہے اوجی پردہ تو آنکھوں کا ہوتا ہے۔

بھئی آنکھوں کا پردہ تو ہوتا ہے لیکن چہرے پر اگر پردہ نہ ہو تو ہوس کی نگاہیں تو ہر مرد کی پڑ ہی رہی ہونگی نا؟ جو مقصود ہے پردے کا وہ تو حاصل نہیں ہوسکتا۔ تو یہ شہوات ہیں اصل میں کہ جو انسان کو عمل کرنے سے روک دیتی ہیں رہ گئی بات پردے کی تو پردہ تو الحمدللہ ایک شرعی چیز ہے۔

آپ ذرا غور کریں کہ اگر کوئی عورت پردے کے اندر چلے تو کسی غیر مرد کی اس پر نظر ہی نہیں پڑتی وہ غیر مرد کی ہوس بھری نگاہوں سے محفوظ رہتی ہے۔

انگریز لڑکی کا مضمون:

ایک انگریز لڑکی مسلمان ہوئی اور اس نے ایک مضمون لکھا: "Behind the veil پردے کے پیچھے سے" اس مضمون میں اس نے لکھا کہ جب میں کافرہ تھی میں Uncovered جسم کے ساتھ گلیوں اور بازاروں میں چلتی تھی، نیم برہنہ کیفیت میں جاتی تھی تو مردوں کی ایسی ایسی نظریں پڑتی تھیں، تو مجھے لگتا تھا کہ جیسے یہ مجھے کچا کھا جائیں گے۔ ہر مرد مجھے ایک ہوس والے کتے کی طرح نظر آتا تھا، جو اپنے شکار کی طرف نگاہیں جما کر دیکھ رہا ہو اور مجھے کئی مرتبہ اپنی جان کا بھی ڈر پڑ جاتا تھا کہ کہیں یہ لوگ

پہلے میری عزت نہ لوٹیں اور پھر مجھے جان سے مار نہ دیں۔ تو مجھے خطرہ ہی رہتا تھا۔ میری گاڑی کے پیچھے کوئی گاڑی آتی تھی تو مجھے خوف ہوتا تھا کہ کہیں یہ مجھے Chase نہ کر رہا ہو اور میرے گھر کے دروازے پر نہ پہنچ جائے، میری زندگی میں سکون نہیں ہوتا تھا۔ پھر ایک نیک مسلمان عورت کی وجہ سے میں نے کلمہ پڑھا اور میں نے بھی پردہ کرنا شروع کر دیا اب جب میں پردے میں بازار میں چلتی پھرتی ہوں کسی مرد کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ میں گوری لڑکی ہوں، اتنی خوبصورت ہوں، مجھے بالکل سکون ہوتا ہے۔ میرا دل بالکل مطمئن ہوتا ہے کہ ان مردوں کی نظر سے میں چھپی ہوئی ہوں۔ کسی کو میرے حسن و جمال کے بارے میں کچھ پتہ نہیں۔ لہٰذا جو پردے کے بعد پرسکون زندگی مجھے ملی، وہ اس سے پہلے مجھے کبھی نہیں ملی تھی۔ تو پردہ تو ایک فائدے کی چیز ہے، عورت کے لیے بھی فائدہ، مرد کے لیے بھی فائدہ۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

حضرت مولانا حسین احمد مدنی ایک مرتبہ ٹرین کا سفر کر رہے تھے گرمی کا موسم تھا، ایک انگریز اپنی میم کے ساتھ سامنے کی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ حضرت خاموش بیٹھے رہے، تو انگریز صاحب کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نا میں ان مولوی صاحب سے بات چیت کروں۔

چنانچہ اس نے مسئلہ چھیڑ دیا، مولانا! آپ لوگ عورت کو گھر کی چار دیواری میں قید کر دیتے ہیں۔ باہر نکلتی ہے تو اس پر کفن کی طرح پردہ لپیٹ دیتے ہیں۔ ہم نے دیکھو عورت کو کتنی آزادی دی ہے۔ یہ میری بیوی ہے اور دیکھو، یہ کتنے خوبصورت کپڑے پہن کے میرے ساتھ چل رہی ہے۔ ہم تو شانہ بشانہ عورت کے ساتھ چلتے ہیں۔ اب اس نے ایسی ایسی باتیں کرنی شروع کر دیں۔ اصل میں وہ ''حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو تنگ کرنا چاہ رہا تھا۔

حضرت خاموشی سے اس کی بات سنتے رہے۔ پسینہ آرہا ہے، گرمی کا موسم ہے اور پھر وہ انگریز باز بھی نہیں آرہا تھا۔ حضرت نے کافی دیر تو صبر کیا پھر ساتھ شاگرد بیٹھا تھا اس شاگرد کو کہا کہ بھائی گرمی کا موسم ہے، ذرا شکنجبین بناؤ اور پلاؤ۔ اس نے شربت بنایا، پھر اس میں اس نے برف ڈالی پھر اس میں اس نے لیموں نچوڑے۔ اب جب وہ لیموں نچوڑ رہا تھا نا تو انگریز صاحب بھی اس شربت کو للچائی نظروں سے دیکھ رہے تھے، تو جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ یہ بار بار ادھر دیکھ رہا ہے شکنجبین کی طرف۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا کہ آپ اس شربت کی طرف بار بار کیوں دیکھ رہے ہیں؟

اس نے کہا: جی گرمی کا موسم ہے لیموں چیز ہی ایسی ہے کہ گرمی کے موسم میں اس کو دیکھ کر منہ میں پانی آہی جاتا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بالکل اسی طرح عورت چیز ہی ایسی ہے کہ بے پردہ ہو تو اس کو دیکھ کر مرد کے منہ میں پانی آہی جاتا ہے۔ اب جو یہ جواب سنا تو بے چارے نے شرم سے سر جھکا لیا۔

آج مٹھاس کا نام لے لو، دل متوجہ ہوتا ہے، کھٹاس کا نام لے لو، دل متوجہ ہوتا ہے۔ تو بے پردہ عورت اگر پھرے گی تو نوجوان لوگوں کے دل کیوں اس کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔

عقلی دلیل:

اس کی عقلی دلیل سن لیں:

کوئی بندہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں ایک لاکھ روپے کے نوٹ ہوں، اور وہ ہاتھ میں سب کو دکھاتا ہوا بازار میں چل رہا ہو، کہے گا نہیں بھئی کوئی چور اچکا آئے گا، میرے ہاتھوں سے چھین کر بھاگ جائے گا۔ اسے کہیں اچھا بھئی ایک ہزار روپیہ ہاتھ میں لے کر چلو،

کہے گا جی نہیں، سائیکل، موٹر سائیکل پر لوگ آتے ہیں میں اگر ایک ہزار کا اس طرح اظہار کروں گا تو لوگ میرے ہاتھ سے چھین کر چلے جائیں گے۔

بھئی اگر ایک ہزار کا نوٹ آپ اگر لوگوں کو دکھاتے جائیں تو لوگ وہ چھین کر چلے جاتے ہیں جو عورت اپنا حسن و جمال غیر مردوں کو دکھاتی جائے تو کیا اس کی عزت لوٹنے والے نہیں ہوں گے؟ کیا عورت کی عزت ایک ہزار روپے سے بھی کم ہے۔

ہم نے دیکھا لوگ گوشت خریدتے ہیں اب ایک کلو گوشت خریدا، کوئی ہے جو اس کو سر پر رکھ کر Uncovered جا رہا ہو؟

کوئی بھی نہیں ایسا کرے گا۔ پوچھیں کیوں؟ وہ جی کوے آئیں گے اور بوٹیاں اچک کے لے جائیں گے۔ بھئی! ایک کلو گوشت اگر تم محفوظ کر کے بازار سے لے جاتے ہو، کہ کوے کہیں بوٹیاں اچک کر نہ لے جائیں تو یہ جو تمہاری بیوی 50 کلو کا گوشت ہے یہ اگر بے پردہ بازار سے گزرے گی تو اس کو اچکنے والے کوّے نہیں ہو جائیں گے؟ مگر شہوات کی وجہ سے عورتیں کہتی ہیں جی چہرے کا پردہ نہیں، آنکھوں کا پردہ ہوتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں دین کا فتنہ۔

ایک تو عمل نہ کیا اور دوسرے دین میں حجت بازیاں کر لیں۔ تو فتنہ دو طرح سے ہوتا ہے، کبھی شہوات کی وجہ سے اور کبھی شبہات کی وجہ سے۔

دین پر اعتراض کیوں؟

شبہات کہتے ہیں عقل کی سمجھ میں باتیں نہیں آتیں تو دین پر اعتراض کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ مانچسٹر میں بیان کیا اس عاجز نے۔ تو پردے کے پیچھے خواتین نے کچھ مسائل پوچھنے تھے۔ وہ پوچھنے لگیں تو کوئی یونیورسٹی کی لڑکی بھی وہاں آئی ہوئی تھی وہ اللہ کی بندی کچھ آزاد ذہن کی تھی۔ اس نے کہا جی مجھے ایک بات پوچھنی ہے۔ میں نے کہا: بہت

اچھا، کہنے لگی: جی مجھے آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ مرد تو چار شادیاں کر سکتا ہے عورت چار شادیاں کیوں نہیں کر سکتی؟

اب اسے میں نے سمجھانے کی کوشش کی، ایک دلیل دی، دوسری دلیل دی، تیسری دی، مگر وہ ڈٹی ہوئی ہے اپنی بات پر کہ جی نہیں یہ باتیں اپنی جگہ پر ٹھیک ہیں لیکن عورت چار شادیاں کیوں نہیں کر سکتی؟

اب جب میں نے دیکھا کہ سیدھی انگلی سے تو گھی نہیں نکل رہا، یہ ٹیڑھی انگلی سے نکلے گا:

تُكَلِّمُ النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ

جیسی عقل ہو اس سے پھر ویسی ہی بات کرو

تو اب میں نے اسے کہا کہ اچھا، بالفرض آپ کے چار شوہر ہوں، آپ کی چار شادیاں ہوں تو سمجھ لو کہ چار تو آپ کی ساسیں ہونگی اور اگر ہر ساس کی پانچ بیٹیاں، تو بیس نندیں ہونگی، تو چار خاوند، چار ساسیں، بیس نندیں، گزارا کر لو گی؟ کہنے لگی نہیں نہیں نہیں، میری تو بس چار خاوندوں کی بات تھی، ساسیں اور نندیں تو نہیں ہونی چاہییں۔ اب ذرا عقل ٹھکانے آ گئی پھر تھوڑی دیر بعد کہنے لگی نہیں نہیں۔ میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی، شادی تو عورت کی ایک ہی ٹھیک ہوتی ہے۔

یہ دین کا فتنہ یا شبہات کی وجہ سے، یا شہوات کی وجہ سے۔ تو جب ہم نے یہ دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ

اے اللہ ہمارے دین کو فتنے سے محفوظ کر دیجیے۔ نہ اس میں شہوات کی وجہ سے فتنے آئیں نہ شبہات کی وجہ سے فتنے آئیں۔ پھر آگے

''العافیۃ'' کا مفہوم:

تو عافیہ کا مطلب علما نے لکھا ہے

اَلسَّلَامَةُ فِی الْبَدَنِ مِنَ سَیِّءِ الْاَذْقَامِ

بدن کو بیماریوں سے اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے اس کو عافیہ کہتے ہیں۔

اب یہ کتنی پیاری دعا ہے کہ اے اللہ، ہمیں صحت مند جسم عطا فرما دیجیے کوئی بیماری نہ ہو۔ اب سوچیے کتنی عورتیں ہیں ہیپاٹائٹس سی کی مریض ہو جاتی ہیں۔ ٹی بی کی مریض ہو جاتی ہیں۔ ایک عورت نے فون کیا: حضرت میرے لیے دعا کیجیے، زار و قطار رو رہی تھی پوچھا، خیر؟ کیا ہوا؟

کہنے لگی کہ معدے کا آلسر ہے اور پچھلے آٹھ سال سے روٹی کا ایک لقمہ بھی میرے منہ میں نہیں گیا۔ میں فقط Liquied پی کر گزارہ کر رہی ہوں۔ میرے گھر میں دعوتیں ہوتی ہیں میں سب کے لیے کھانے بناتی ہوں، ڈشز بناتی ہوں مگر میں خود اللہ کی نعمتوں سے محروم ہوں۔

اس دن احساس ہوا کہ یا اللہ! آپ نے ہم پر کتنی رحمت فرمائی ہے، صبح کا ناشتہ بھی ہوتا ہے، دوپہر کا کھانا، رات کا کھانا، اور درمیان میں چائے کے نام پر بسکٹ بھی چل جاتے ہیں۔ نمازیں تو قضا ہو سکتی ہیں کھانا قضا نہیں ہوتا۔ تو دیکھیے ایک عورت آٹھ سال سے کچھ نہیں کھا پائی۔ تو جب کسی نے یہ دعا مانگی کہ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْو

اے اللہ میرے دین کو بھی سلامت رکھنا، کوئی فتنہ نہ آئے میرے نزدیک نہ شہوات کی وجہ سے، نہ شبہات کی وجہ سے۔ اور اے اللہ ''والعافیۃ'' اور میرے بدن کو بھی سلامت رکھیے۔ مجھے بیماریوں سے بچا لیجیے۔

اب سوچیے یہ کتنی پیاری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جسمانی بیماریوں سے بھی محفوظ رکھیں، ہسپتالوں میں جائیں، ذرا دیکھیں کہ بیماریوں کی وجہ سے لوگوں کی زندگی کتنی اجیرن بنی ہوئی ہے۔

تو اللہ کسی کو سلامتی والا صحت مندی والا بدن عطا فرمائیں، یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

معافات کا مفہوم:

پھر تیسری چیز ''والمعافات'' معافات کا معنی علما نے لکھا

اَنْ يُّعَافِيَهُمْ مِنْكَ وَاَنْ يَّعَافِيَكَ اللّٰهُ مِنَ النَّاسِ

''کہ اللہ تمہیں لوگوں کے شر سے بچائے اور لوگوں کے شر سے تمہیں بچائے''

اس کو معافات کہتے ہیں اب یہ کتنی پیاری دعا ہے کہ اللہ میرے شر سے لوگوں کو بچادے۔ اور لوگوں کے شر سے مجھے بچادے۔

خاوند کا رونا:

آج کہنے کو میاں بیوی ہوتے ہیں مگر ایک دوسرے کی زندگی عذاب بنائی ہوئی ہوتی ہے۔ خاوند جان بوجھ کر بیوی کو پریشان کرتا ہے۔ آنسوؤں سے رلاتا ہے اور کئی جگہوں پر بیوی مرد کا جینا حرام کر دیتی ہے۔

چند دن پہلے میرے پاس ایک میاں بیوی کا Case آیا اب دیکھیے کہ خاوند اپنی طرف سے بیوی کے ساتھ بہت Fair ہے۔ اس کے سب تقاضے پورے کر رہا ہے اور بیوی فقط نازکی وجہ سے مرد کو مسکرا کے نہیں دیکھتی۔ اس نے یہ محسوس کر لیا ناں کہ یہ میرے حسن و جمال سے متاثر ہے۔ غیر لڑکی سے اس کا تعلق کوئی نہیں میری ہی طرف متوجہ ہے۔ اب ناز انداز۔ خاوند رو پڑا۔ کہنے لگا حضرت میری بیوی پردے میں بیٹھی ہے اس سے

پوچھیے میں اس سے بار بار کہتا ہوں تو میری بیوی ہے تو مجھے ایک مرتبہ تو مسکرا کے دیکھ لے، اور پچھلے چھ مہینوں میں اس نے ایک دفعہ نہیں دیکھا۔ اب دیکھیے کہ وہ بیوی ہے مگر اس نے خاوند کو اپنا شر کیسا دکھایا، اس کی زندگی عذاب بنائی ہوئی ہے۔ وہ آنسوؤں سے بے چارہ رو رہا ہے۔

بیوی کا رونا:

اور کئی جگہوں پر یہی Opposite معاملہ ہوتا ہے، بیوی ترستی ہے کہ ایک مرتبہ خاوند مسکرا کے دیکھ لے اور خاوند دیکھتا نہیں۔ تو کہنے کو میاں بیوی، ایک دوسرے کے شر سے نہیں بچے ہوئے۔ بھائی بھائی کے شر سے نہیں بچا ہوا۔ دوست دوست کے شر سے نہیں بچا ہوا۔ پڑوسی پڑوسی کے شر سے نہیں بچا ہوا۔ تو کتنی یہ پیاری دعا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْو

اے اللہ میرے دین کو فتنے سے محفوظ رکھیے۔ ''والعافیہ'' میرے بدن کو بیماریوں سے محفوظ رکھیے۔

والمعافات'' میرے شر سے دوسرے بندوں کو بچا لیجیے۔ اور بندوں کے شر سے اے اللہ مجھے بچا لیجیے۔

لیلۃ القدر کی دعا:

چنانچہ نبی علیہ السلام نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو فرمایا:

جب انہوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ اگر میں لیلۃ القدر کو پاؤں تو کیا مانگوں؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا: تم یہ دعا مانگنا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ

اے اللہ آپ معاف کرنے والے ہیں، معاف کرنے کو پسند کرتے ہیں مجھے معاف کردیجیے۔ تو ''عفو'' کا مطلب یہ ہوا کہ

اُمْحُ اٰثَارَ ذُنُوْبِنَا

اے اللہ ہمارے گناہوں کے آثار اور گواہ ختم کردیجیے۔

اب اس بات کو ذرا مزید تفصیل سے سمجھیے

دنیا کی عدالت:

دنیا کی عدالت میں اگر کسی پہ مقدمہ ہوجائے جھوٹا، اور پیروی کرنے سے ثابت بھی ہوجائے کہ مقدمہ جھوٹا تھا، تو عدالت اس شخص کو باعزت بری تو کردیتی ہے مگر مقدمے کا Record رکھ لیتی ہے، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جی عدالت Record کو ختم کرے تو عدالت جواب دے گی کہ نہیں، تمہیں ہم نے باعزت بری کردیا۔ مگر ہم اپنے پاس Record کو Mantain کریں گے۔

مقدمہ جھوٹا تھا ثابت بھی ہوگیا ملزم کو بری کردیتے ہیں Record کو ختم نہیں کرتے۔ اللہ رب العزت کا معاملہ دیکھیے، ایک آدمی اقبالی جرم ہے اپنے جرم کا خود اقرار کرتا ہے اور اسکے بعد وہ اللہ تعالیٰ سے رحم کی اپیل کردیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بندے کے گناہ کو ہی فقط معاف نہیں کرتے بلکہ اس گناہ کے Record کو ہی نامہ اعمال سے ختم کروادیتے ہیں۔ اللہ اکبر کبیرا

شانِ کریمی:

چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے:

اِذَا تَابَ الْعَبْدُ

جب بندہ توبہ کرتا ہے

اَنْسَی اللّٰهُ حَفَظَ ذُنُوبَه

اللہ تعالیٰ فرشتوں کو وہ گناہ بھلا دیتا ہے

وَاَنْسٰی ذَالِكَ جَوارِحَهٗ

اس بندے کے جسم کے اعضا کو وہ گناہ بھلا دیتا ہے

وَمَعَالِمَهٗ مِنَ الْاَرْضِ

زمین کے جن ٹکڑوں پر اس نے گناہ کیا اللہ ان ٹکڑوں کو بھی وہ گناہ بھلا دیتا ہے۔

حَتّٰی يَلْقَى اللّٰه

حتی کہ وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرتا ہے۔

وَلَيْسَ عَلَيْهِ شَاهِدٌ مِّنَ اللّٰهِ بِذَنْبٍ

کہ اس کے گناہوں کی گواہی دینے والا ایک بھی گواہ نہیں ہوتا۔

وہ پروردگار کتنا کریم ہے کتنا مہربان ہے کہ بندے کے گناہ بھی معاف کر دیتا ہے اور گناہ پہ گواہ بننے والے گواہوں کو گناہ ہی بھلا دیتا ہے۔

فرشتوں کو گناہ بھلانے کی حکمت:

اس پر علما نے تفسیر لکھی کہ آخر فرشتوں کو گناہ بھلانے میں کیا حکمت تھی۔ تو انہوں نے فرمایا کہ گناہ بھلانے میں یہ حکمت تھی کہ قیامت کے دن جب یہ بندہ اللہ کے سامنے کھڑا ہوگا اور اس کے نامہ اعمال میں کوئی گناہ ہی نہیں لکھا ہوگا تو اس وقت فرشتے اس بندے کو طعنہ نہ دیں۔ جناب تمہاری اوقات کا ہمیں پتہ ہے، تم نے یہ یہ، یہ یہ کرتوت کیے تھے اللہ نے تمہیں معاف کر دیا، لہٰذا آج تم ایسے کھڑے ہو کہ کوئی گناہ ہی نہیں لکھا گیا۔ یہ جو فرشتوں نے بندوں کو طعنہ دینا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے طعنوں سے بندوں کو بچا لیا۔

اور پھر ساتھ یہ فرشتوں کو نہیں کہا کہ فرشتو! تم گناہ مٹادو۔ اللہ فرماتے ہیں میں جب بندے کی توبہ قبول کرتا ہوں تو اس کے گناہوں کو خود مٹا دیتا ہوں تاکہ فرشتوں کے احسان مند بھی نہ ہوں، کہ انہوں نے گناہوں کو مٹایا تھا۔ سبحان اللہ۔ اس لیے ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہم اپنے اللہ رب العزت کے حضور اپنے گناہوں سے پکی اور سچی توبہ کرلیں

گناہ چھوڑنے کے لیے تین کام:

اب کئی مرتبہ عورتیں یہ سوال پوچھتی ہیں کہ ہم پچھلے گناہوں سے سچی توبہ کرنا چاہتی ہیں ہم کیا کریں؟ بات بڑی سمجھ کی ہے۔

امید ہے کہ آپ دل کے کانوں سے سنیں گی کہ گناہ چھوڑنے کے لیے تین کام کرنے چاہیے۔ پہلا کام یہ کہ گناہ چھوڑنے کی ہمت کرے۔ ہمت کرنی پڑتی ہے ہر کام کو کرنے کے لیے، اب ایک آدمی بیٹھے بیٹھے کہے کہ جی مجھے بھوک لگی ہے تو بھوک کو دور کرنے کے لیے ہمت کرنی پڑے گی۔ کھانا کھانا پڑے گا۔ لقمہ منہ میں ڈالنا پڑے گا۔ بیٹھے بیٹھے بھوک ختم نہیں ہو جائے گی۔

اسی طرح اگر کوئی لڑکی چاہتی ہے کہ میں گناہوں سے سچی توبہ کرنا چاہتی ہوں تو سب سے پہلے اس کو ہمت کر کے گناہ چھوڑنا پڑیں گے۔

مثال کے طور پر اگر وہ اپنے Cell Phone پر کسی غیر محرم سے باتیں کرتی ہے Messages کا رابطہ رکھتی ہے تو یہ Cell Phone حقیقت میں اس کے لیے Hell Phone ہے جہنم میں جانے کا ذریعہ ہے۔ تو پہلا کام تو یہ کریں کہ اللہ سے ڈر کر سچی توبہ کریں۔ اور اس غیر محرم سے ٹیلیفون کا رابطہ ختم کر دیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ رابطہ ادھر بھی رہے اور پھر اللہ کے حضور انسان نیک بھی کہلائے۔

با مسلماں اللہ اللہ، با برہمن رام رام

یہ نہیں ہوسکتا، یہ پہلے قدم اٹھانا پڑے گا۔ تو ہمت کر کے عہد کریں کہ ہم نے آج کے بعد یہ کبیرہ گناہ نہیں کرنا۔ یا کوئی لڑکی نماز نہیں پڑھتی۔ تو عہد کریں کہ آج کے بعد نماز کا وقت ہوگا میں وضو کروں گی اور مصلے پر آ جاؤں گی۔

جب آپ وضو کر کے مصلّے پہ آ گئیں اب نماز پڑھنا آپ کے لیے آسان ہو جائے گا یا ایک لڑکی اگر پردہ نہیں کرتی وہ عہد کر لے کہ آج کے بعد میں چہرے کا پردہ کروں گی۔

تو سب سے پہلا کام ہوتا ہے کہ ہمت کرنا، گناہ چھوڑنے کے لیے۔

اور دوسرا کام یہ کرنا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس ہمت کے عطا ہونے کا دعا مانگنا، گویا دو رکعت نفل بھی پڑھے۔ عشاء کے بعد اگر پڑھ لے، تہجد میں پڑھ لے تو اس وقت یہ دعا مانگے اے کریم آقا، میں اس گناہ سے بچنا چاہتی ہوں آپ مجھے ہمت عطا فرما دیجیے کہ میں بچ جاؤں۔

ایک اپنی طرف سے ہمت بھی کرنا، اور دوسرا عطائے ہمت کی دعا مانگنا، اور تیسرا نیک لوگوں سے اس گناہ کے چھوڑنے کی دعا بھی کروانا، مثلاً والدہ، والد سے، اپنی معلمہ سے، اپنے استاد سے، کوئی بھی نیک لوگ ہوں ان سے یہ کہنا جی آپ دعا فرمائیے، اللہ مجھے گناہ چھوڑنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ تو جب آپ نے تین کام کر لیے اپنی طرف سے ہمت بھی کر لی۔ اللہ سے ہمت کی دعا بھی مانگ لی اور اللہ کے نیک بندوں سے دعا بھی کروالی۔ اب آپ کے لیے اس گناہ کو چھوڑنا آسان ہو جائے گا۔

اے اللہ ہمارے گناہ معاف کر دیجیے:

چنانچہ قرآن مجید میں بھی سورۃ بقرہ کے آخر میں اسی قسم کی ایک دعا ہے۔ جس میں رب کریم نے یہ دعا سکھائی کہ میرے بندو تم مانگو:

وَاعْفُ عَنَّا

اے اللہ ہمارے گناہ معاف کردیجیے۔اور گناہوں کے آثار مٹا دیجیے

اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے آپ نے اگر کسی کو Message، Send کیا مگر آپ چاہتی ہیں کہ اس کو میں delete کر دوں۔تو آپ delete کا ایک بٹن دبائیں اور وہ Message کا Record آپ کے فون سے ختم۔یہ ہے وَاعْفُ عَنَّا

کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے گناہوں کو delete بٹن کے ذریعے سرے سے ہی ختم کر دیتے ہیں تاکہ یہ بندہ قیامت کے دن رسوا نہ ہو۔قیامت کے دن Record اس کو ذلت نہ ملے۔

قیامت کے دن اللہ رب العزت بندے کے گناہوں پہ پردہ ڈال دیں تو یہ بہت بڑی نعمت ہے، چنانچہ "وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا"

واغفرلنا کا معنی یہ بنا کہ اے اللہ! برائیوں پہ ہماری ستاری فرمادے اور ہماری نیکیوں کو ظاہر فرمادے۔

کہنے والے نے کیا خوب کہا:

کہنے والے نے کہا:

اے دوست جس نے تیری تعریف کی اس نے درحقیقت تیرے پروردگار کی ستاری کی تعریف کی۔

وہ تیری تعریف نہیں کر رہا، وہ تیرے پروردگار کی ستاری کی تعریف کر رہا ہے جس نے گناہوں کو چھپایا ہوا ہے، اگر اللہ ہمارے گناہوں پہ رحمت کی چادر نہ ڈالتے تو شاید آج لوگ ہم سے کلام کرنا پسند نہ کرتے۔

فرمایا: واعف عنا اللہ ہمارے گناہوں کے آثار مٹا دیجیے

واغفرلنا: برائیوں پہ چادر ڈال دیجیے۔نیکیوں کو ظاہر فرما دیجیے

وارحمنا: اور اللہ ہم پر رحمت فرمایئے

رحمت کا مطلب:

رحمت فرمانے کا مطلب کیا ہوا؟ کہ اے اللہ جب آپ نے ہمیں معافی دے دی اور اب صلح ہوگئی تو جو آپ کی رحمتیں رکی ہوئی ہیں، ان رحمتوں کو دوبارہ جاری فرما دیجیے اس کی مثال ایسے ہے کہ والد اگر کسی بچے سے ناراض ہو تو اس کی جیب خرچ بھی بند کر دیتا ہے اگر وہ بچہ والد سے آ کر معافی معانگ لے اور والد کی طبیعت خوش ہو جائے تو جب والد بچہ کو معاف کر دیتا ہے تو اس کا ماہانہ خرچہ بھی جاری کر دیتا ہے۔

تو وارحمنا کا یہی معنی ہوگا کہ اے اللہ ہمارے گناہوں کے سبب جو رحمتیں رکی ہوئی تھیں ان رکی ہوئی رحمتوں کو دوبارہ جاری فرما دیجیے۔

رحمتوں کا اجراء:

اس پر مفسرین نے لکھا ہے کہ گناہوں کی وجہ سے کون کون سی رحمتیں رکی ہوتی ہیں جو جاری ہو جاتی ہیں۔

ایک عبادت کی توفیق مل جاتی ہے، یعنی گناہوں کی وجہ سے جو توفیق چھن گئی تھی اللہ تعالیٰ ان نیک اعمال کی دوبارہ توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔

نماز پڑھنے کو دل چاہتا ہے، قرآن پاک پڑھنے کو دل چاہتا ہے، تہجد میں اٹھنا آسان، سچ بولنا آسان، غیبت سے بچنا آسان، اپنی نگاہوں کو غیر محرم سے روکنا آسان یہ سب کام انسان کے لیے آسان ہو جاتے ہیں۔

دوسری چیز ''فراخی'' معیشت کہ گناہوں کی وجہ سے جو مال میں برکت اٹھ جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس برکت کو واپس لوٹا دیتے ہیں۔

کئی لوگوں کو دیکھا کہ کماتے تو بہت ہیں خرچے ہی پورے نہیں ہوتے۔ اصل میں

ان کے مال میں برکت نہیں ہوتی۔تو اللہ تعالیٰ وہ برکت واپس لوٹا دیتے ہیں۔

بلاحساب مغفرت:

تیسرا اس کا معنی کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کی بلاحساب مغفرت فرمادیتے ہیں۔
بلاحساب مغفرت کا کیا معنی؟

کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال کو کھولیں گے ہی نہیں۔

ہمیں ایک مرتبہ اس کا تجربہ ہوا۔ حج کا موقع تھا، سعودی عرب پہنچے، تو وہاں کسٹم والے سامان ''Check'' کرتے ہیں ایک سعودی عرب کا آدمی آیا اور اس نے دیکھا کہ مسکین چہرہ، سفید بال، اسے ترس آ گیا وہ پوچھنے لگا کہ شیخ! آپ کا سامان کون سا ہے؟ میں نے وہ چند بیگ جو تھے ان کی طرف اشارہ کر دیا اس نے ان پر چاک کا نشان لگا دیا۔ میں نے پھر پوچھا جی اب کیا کروں؟ کہنے لگا سامان لے کر جاؤ۔ اب آگے لوگ ہر ہر بندے کا بیگ کھول رہے تھے اور خوب Cheking کر رہے تھے۔ جب ان کے قریب سے گزرے انہوں نے چاک کا نشان دیکھا تو وہ مجھے کہنے لگے کہ شیخ! تم جاؤ۔ بھئی سامان نہیں کھولو گے؟ انہوں نے کہا، تمہارے تو بیگ پر چاک کا نشان لگا ہوا ہے۔ اس دن پتہ چلا کہ واقعی اللہ رب العزت جب بندے کی توبہ قبول کر لیتے ہیں تو پھر اسکے نامہ اعمال پر چاک کا ایسا نشان لگا دیتے ہیں کہ قیامت کے دن فرشتے اس کے نامہ اعمال کو کھول ہی نہیں سکیں گے۔ فرمائیں گے میرے بندے تم بلاحساب جنت میں چلے جاؤ۔

اور چوتھی چیز ہے اس کو کہتے ہیں ''دخول جنت'' کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کے لیے جنت میں داخلہ آسان فرما دیں گے۔

فرمایا: ''وَاعْفُ عَنَّا'' اللہ ہمارے گناہوں کے آثار مٹا دیجیے۔ ''واغفرلنا'' برائیوں پہ چادر ڈال دیجیے۔ نیکیوں کو لوگوں کے دلوں پر ظاہر کر دیجیے۔ وارحمنا جو رحمتیں رکی ہوئی

ہیں۔توفیق عبادت، مال کی برکت، بلاحساب مغفرت اور دخول جنت اللہ یہ عطا کردیجیے۔

اَنْتَ مَوْلٰنَا

اَنْتَ سَیِّدُنَاوَمَالِکُنَا ،وَمُتَوَلِّی اُمُوْرِنَا

اے اللہ آپ ہی تو ہمارے سردار اور آقا ہیں۔

جب اس طرح انسان دعا مانگتا ہے تو اللہ رب العزت رحمت کا معاملہ فرماتے ہیں دیکھیں حدیث مبارکہ میں دعا تو مختصر سی تھی مگر اتنا مفہوم اس دعا کے اندر شامل ہے:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَوَالْعَافِیَۃَ وَالْمُعَافَاتَ فِی الدُّنْیَاوَالْاٰخِرَۃِ))

اللہ تعالیٰ اس دعا کے مانگنے سے دین کو بھی بچا لیتے ہیں فتنوں سے اور بندے کے گناہوں کو بھی معاف فرما دیتے ہیں حتیٰ کہ گناہوں کے آثار مٹا کر قیامت کے دن اس کو رسوائی سے بچا لیتے ہیں۔

قیامت کے دن اللہ کی رحمت کا بڑا ظہور ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمیت کا ظہور:

حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی صفت ''رحمیت'' کا اتنا ظہور ہوگا کہ ایک وقت آئے گا کہ شیطان بھی آنکھ اٹھا کر دیکھے گا، نظر اٹھا کر دیکھے گا کہ شاید میری بھی آج مغفرت کردی جائے گی۔اتنا اللہ کی رحمت کا ظہور ہوگا۔

فرماتے ہیں کہ دو بندوں کو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، کہ تمہاری نیکیاں تھوڑی گناہ زیادہ، چلو جاؤ جہنم میں، ان میں ایک آدمی تو دوڑنا شروع کردے گا جہنم کی طرف اور دوسرا بندہ چند قدم چلے گا پھر پیچھے مڑ کر دیکھے گا پھر چند قدم چلے گا پھر پیچھے مڑ کر دیکھے گا۔اللہ تعالیٰ ان دونوں کو واپس بلائیں گے۔پہلے سے پوچھیں گے کہ بھئی! تمہیں حکم ملا تو تم نے تو

بھاگنا ہی شروع کر دیا وہ کہے گا یا اللہ! دنیا میں تو آپ کا حکم ماننے میں مجھ سے کوتاہی رہی۔ آخری حکم ملا جہنم جاؤ، میں نے سوچا چلو اس حکم پر ہی عمل کرلوں، آخری حکم ہے۔ اللہ فرمائیں گے اچھا، اگر اب تیرے دل میں میرے حکم کی اتنی عظمت آ گئی تو چلو میں نے تمہیں جنت عطا فرما دی۔

دوسرے سے فرمائیں گے بھئی آپ دو قدم بڑھ رہے تھے پھر پیچھے مڑ کر دیکھ رہے تھے۔ پھر چند قدم جا رہے تھے پھر پیچھے مڑ کر دیکھ رہے تھے۔

وہ کہے گا یا اللہ! ساری زندگی میں نے ایسی گزاری کہ تیری رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہوا، اگرچہ تو نے حکم دے دیا کہ جہنم میں جاؤ، میں چند قدم چلتا تھا پھر پیچھے دیکھتا تھا شاید تیری رحمت جوش میں آ جائے۔ اللہ فرمائیں گے اچھا اگر تجھے میری رحمت کا اتنا ہی بھروسہ ہے چلو میں نے تمہیں جنت عطا کر دی۔

وہ کتنا کریم پروردگار ہے۔

قیامت کے دن ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میرے بندے تو نیک کیوں نہ بنا؟ وہ کہے گا یا اللہ! میں دعا تو مانگتا تھا کہ اللہ مجھے نیک بنا دے۔ آپ مجھے نیک بنا دیتے۔

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہیں ''علام الغیوب'' ہیں۔

پھر بھی فرشتوں کو فرمائیں گے اچھا اس کے نامہ اعمال کو دیکھو۔ فرشتے نامہ اعمال کو Check کریں گے وہ کہیں گے یا اللہ، واقعی یہ دعا تو بار بار مانگتا تھا اللہ مجھے نیک بنا دے، اللہ مجھے نیک بنا دے۔ اللہ فرمائیں گے اچھا اگر تو نیک بننے کی تمنا دل میں رکھتا تھا، میں آج تیرا حشر نیکوں میں کر دیتا ہوں تیرے سب گناہوں کو معاف فرما دیتا ہوں۔

سوچیے قیامت کے دن اللہ کی کیسی رحمتیں ہونگی۔

پیارے حبیب ﷺ کی دعا:

☆......ایک مرتبہ نبی علیہ السلام لشکر کے ساتھ واپس تشریف لا رہے تھے۔ دریا کے کنارے آپ ﷺ نے پڑاؤ ڈالا۔ عصر کی نماز ادا کی۔ عصر کی نماز کے بعد اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے رو رو کر امت کی مغفرت کے لیے دعا مانگی۔

اے اللہ میری امت کو بخش دیجیے، ان کی خطائیں معاف کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے دیکھا، کہ ایک چھوٹی سی چڑیا آئی اور اس نے ریت کے چند دانے اپنے منہ میں ڈالے، اپنی چونچ میں، اور دریا کے پانی کی طرف اڑ کر چلی گئی۔ پھر دوبارہ آئی، پھر چند دانے ریت کے چونچ میں ڈالے پھر دریا کی طرف چلی گئی۔ جب اس نے دو چار دفعہ ایسا کیا تو اللہ کے پیارے حبیب ﷺ متوجہ ہوئے کہ یہ چڑیا کر کیا رہی ہے؟ اتنے میں جبرئیل علیہ السلام آئے نبی ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل! یہ کیا معاملہ ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا اے اللہ کے نبی ﷺ یہ سارے معاملے کو اللہ نے مجسم کر کے دکھایا۔

وہ حضور ﷺ کا امت کے لیے رونا:

آپ ﷺ نے رو رو کر دعا مانگی، اللہ میری امت کے گناہوں کو معاف فرما دیجیے۔ رب کریم نے آپ کو مجسم شکل میں یہ بات دکھادی کہ دیکھیے جس طرح اس چڑیا کی چونچ میں ایک دو دانے ہی تو ریت کے آتے ہیں اور یہ ان دانوں کو لے جا کر دریا میں جب ڈالتی ہے تو دریا کو ریت کے ان دانوں کا پتہ ہی نہیں چلتا، اے میرے حبیب ﷺ آپ کی امت کے گناہ ریت کے ان دانوں کی طرح ہیں اور میری رحمت تو اس دریا کی مانند ہے۔ جس طرح ریت کے دانے دریا کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے، آپ کی امت کے گناہ میرے رحمت کے دریا کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ میں قیامت کے دن آپ کو خوش کر دوں گا، آپ کی امت کے گناہوں کو معاف کر دوں گا۔ اللہ اکبر کبیرا

اللہ رب العزت کا دریائے رحمت:

اس لیے یہ دعا ضرور کرنی چاہیے، اللہ ہماری توبہ قبول کر لیجیے، گناہوں کو مٹا دیجیے، قیامت کے دن کی ذلت سے بچا لیجیے۔

یہ بہت بڑا انعام ہے۔ بہت بڑا انعام ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی ذلت سے بچا لے۔

واقعی اگر قیامت کے دن اللہ رب العزت ہمیں اختیار دے دیں، میرے بندے تم دو میں سے ایک چیز کو چن لو، یا تو میں تمہاری Video زندگی کی تمہارے بڑوں کے سامنے دکھا دیتا ہوں۔ یا پھر تم خود ہی جہنم میں چلے جاؤ۔ تو جب بیوی کو کہا جائے گا تا کہ تمہاری Video تمہارے خاوند کے سامنے چلاتے ہیں۔ اور جب ماں کو کہا جائے گا کہ تمہاری Video زندگی کی تمہاری اولاد کے سامنے چلاتے ہیں۔ جب شاگرد کو کہا جائے گا تمہارے استاد کے سامنے تمہاری video زندگی کی چلاتے ہیں، مجھے تو لگتا ہے ہم کہیں گے اللہ، ہماری video نہ چلانا، ہم خود ہی جہنم میں چلے جاتے ہیں۔

تو قیامت کے دن کی رسوائی سے اللہ ہمیں بچا لے تو یہ بہت بڑا انعام ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک نجاست میں لتھڑا ہوا بندہ دریا کے کنارے کھڑا تھا تو دریا نے پوچھا کہ تم کنارے پہ کیوں کھڑے ہو؟ اس نے کہا: میں نجاست میں لتھڑا ہوں، ڈرتا ہوں کہ تمہارے اندر آ گیا تو تمہارا پانی نجس ہو جائے گا۔ تو دریا نے مسکرا کر جواب دیا تھا کہ میں جاری پانی ہوں تیرے جیسے ہزاروں بھی میرے اندر غوطہ لگا لیں تو میں سب کو پاک بھی کر دوں گا اور خود بھی پاک رہوں گا۔

ہمارے گناہوں کا معاملہ ایسا ہے اللہ ہم گناہوں کی نجاست میں گو لتھڑے ہوئے ہیں تیری رحمت کا دریا ایسا ہے وہ ہمیں پاک بھی کر دے تو پھر بھی اس میں کمی نہیں آئیگی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ○

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کے ارادات ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

ترستی ہے نگاہ نا رسا جس کے نظارے کو
وہ رونق انجمن کی ہے انہی خلوت گزینوں میں

کسی ایسے شرر سے پھونک اپنے خرمن دل کو
کہ خورشید قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چینوں میں

محبت کے لیے دل ڈھونڈ کوئی ٹوٹنے والا
یہ وہ مے ہے جسے رکھتے ہیں نازک آبگینوں میں

سراپا حسن بن جاتا ہے جس کے حسن کا عاشق
بھلا اے دل حسیں ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں
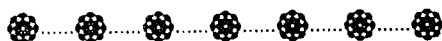
بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْہَا﴾ ()

ازدواجی زندگی میں محبت کا کردار

از افادات

حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

اقتباس

کامیاب ازدواجی زندگی کے لیے یہ ضروری ہے کہ یاد رکھیں کہ یہ پیار کا رشتہ ہے۔ دین اسلام نے شادی کو دو انسانوں کا تعلق نہیں کہا، بلکہ دو خاندانوں کا تعلق کہا ہے۔ گویا دو بچوں کا جب نکاح ہوتا ہے تو دو خاندان اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ دونوں خاندانوں کی آپس میں محبت ہونی چاہیے۔ یاد رکھیں!

فرصت زندگی کم ہے محبتوں کے لیے
لاتے ہیں کہاں سے لوگ وقت نفرتوں کے لیے

تو ازدواجی زندگی کی بنیاد محبت پر ہوتی ہے۔ جتنی زیادہ گہری محبت ہوگی اتنی ہی کامیاب زندگی ہوگی۔

(حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم)

ازدواجی زندگی میں محبت کا کردار

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ○

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

زندگی کے تین مراحل:

انسانی زندگی کے مختلف مراحل ہوتے ہیں۔

☆...... پہلا مرحلہ بچپن کہلاتا ہے۔ اس مرحلے میں بچہ کھاتا ہے، پیتا ہے اور کھیلتا ہے۔

☆...... اس سے اگلا مرحلہ لڑکپن کا ہے۔ اس میں کھیلنے کے ساتھ ساتھ اس بچے کا تعلیمی آغاز ہوتا ہے۔ قرآن مجید پڑھے یا اسکول کی پڑھائی ہو۔ اس لڑکپن میں ہر بچے اور بچی کو پڑھنا ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا ٹارگٹ (مقصد) ہوتا ہے جو اس کے ماں

باپ کی طرف سے اسے دیا جاتا ہے۔

☆......اس پڑھائی کے دوران بچے اپنی زندگی کے تیسرے مرحلے میں داخل ہوتے ہیں، جسے جوانی کا مرحلہ کہتے ہیں۔ جب تعلیم مکمل ہوتی ہے تو عام طور پر بچے اپنے لیے کوئی ذریعہ معاش بناتے ہیں اور اپنے آپ کو معاشی طور پر (Economically) مستحکم کرتے ہیں تاکہ معاشرے کے اندر وہ ایک اچھے فرد کی زندگی گزار سکیں۔

جیون ساتھی کی ضرورت:

اس جوانی کے مرحلے میں انسان کی مختلف ضروریات ہوتی ہیں۔ ان ضروریات میں سے ایک ضرورت ''شادی'' ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ اس کی اپنی ایک لائف ہو۔ اس کا جیون ساتھی (Life Partner) ہو، جس کے ساتھ وہ غم اور خوشی بانٹ (Share) کر سکے۔ کوئی ہو جس کو وہ اپنا سمجھے اور اس کے سامنے اپنے دل کی بات کو کھول سکے۔ شریعت نے اس کے لیے ''نکاح'' کو عبادت کا رتبہ عطا کیا ہے۔

چنانچہ دین اسلام نے یہ تعلیم دی کہ لوگو! اللہ رب العزت تک جو راستہ جاتا ہے وہ جنگلوں اور غاروں سے ہو کر نہیں جاتا، بلکہ وہ ان گلی کوچوں بازاروں سے ہو کر جاتا ہے لہٰذا جو انسان نکاح کرے اور حقوق اللہ کو بھی پورا کرے اور حقوق العباد کو بھی پورا کرے تو اس پر اللہ رب العزت کی طرف سے اس کو اجر ملتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((اَلنِّكَاحُ نِصْفُ الْاِيْمَان))

''نکاح نصف ایمان ہے

گویا نکاح سے پہلے انسان جتنا بھی عبادت گزار بن جائے اس نے آدھے حصے پر عمل کیا، بقیہ آدھے حصے پر اس وقت عمل ہوتا ہے جب وہ نکاح کر کے ازدواجی زندگی گزارتا ہے۔

میاں بیوی کا تعلق......قرآن کی نظر میں:

میاں بیوی کے درمیان الفت ومحبت کا ایک تعلق ہوتا ہے۔ دنیا کے فلاسفروں نے اس تعلق کو واضح کرنے کے لیے بڑی کتابیں لکھیں، مضامین لکھے، ریسرچ پیپرز لکھے، مگر ہر ایک کو اس تعلق کی اہمیت ثابت کرنے کے لیے کئی پیراگراف لکھنے پڑے۔ لیکن قربان جائیں قرآن مجید کی خوبصورتی پر، جامعیت پر، کہ اس نے ایک لفظ کے ذریعے میاں بیوی کے درمیانی تعلق کو واضح کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾

''وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو''

گویا میاں اور بیوی ایک دوسرے کے لیے لباس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لباس کیوں کہا گیا؟ اس کی علما نے مختلف وجوہات بیان کی ہیں۔

① ......پہلی وجہ تو یہ ہے کہ لباس کے ذریعے سے انسان کو زینت ملتی ہے۔ اسی لیے وہ محفلوں میں خوبصورت اور بہترین لباس پہن کر جاتا ہے۔ شادی بیاہ کے لیے خاص طور پر اچھے لباس بنواتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ لباس سے میری شخصیت کے جمال میں ایک نکھار آئے گا۔

② ......دوسری وجہ یہ ہے کہ لباس سے انسان کو سردی گرمی سے بچاؤ ہوتا ہے۔ اگر بغیر لباس کے انسان کو سردیوں میں باہر نکلنا پڑے تو انسان ٹھٹھر کے ہی مر جائے۔ اور اگر گرمیوں میں باہر نکلنا پڑے تو سورج کی تپش سے انسان کی جلد ہی جل جائے۔ اسی طرح میاں بیوی بھی ایک دوسرے کو زندگی کے غموں سے، پریشانیوں سے اور مصیبتوں سے بچا لیتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے لیے بچاؤ (Shelter) بن جاتے ہیں۔

۳...... مفسرین نے ایک تیسری وجہ بھی لکھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میاں بیوی کو لباس اس لیے کہا گیا کہ انسان کے جسم کے سب سے زیادہ قریب اس کا لباس ہوتا ہے۔ لباس سے زیادہ قریب، جسم کے لیے کوئی اور چیز نہیں ہوتی۔ گویا یہ ایک پیغام (Message) دیا جا رہا ہے کہ نکاح کے بعد یہ دونوں میاں بیوی اب ایک دوسرے کے اتنا قریب ہو گئے کہ اب ان کے ساتھ دنیا کا کوئی اور انسان اتنا قریب نہیں ہے۔ یہ قرب کا وہ لفظ ہے کہ جس نے میاں بیوی کے اس بنیادی تعلق کو اچھی طرح واضح کر دیا ہے۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دین اسلام نے اس شادی کو وقت گزاری کے لیے کوئی سبب نہیں بتایا، بلکہ زندگی گزارنے کا ایک عمل بتایا ہے تو گویا میاں بیوی جو شادی کرتے ہیں وہ پوری زندگی اکٹھے گزارنے کا عہد کرتے ہیں۔

ازدواجی زندگی میں مودّت اور رحمت کا مطلب:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا﴾

"اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تم میں سے ہی تمہارا جوڑا بنایا، تاکہ تم اس سے سکون حاصل کر سکو"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شادی کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مرد کو عورت کے ذریعے سے سکون ملے اور عورت کو مرد کے ذریعے سے سکون ملے۔ گویا وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھا رہ کر پرسکون ہوتے ہیں۔ اور اگر اکٹھے نہ ہوں تو پھر زندگی میں پریشانیاں ہوتی ہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً﴾

"اور تمہارے درمیان مودّت اور رحمت کو رکھ دیا گیا"

یہاں قرآن مجید نے دو لفظ استعمال کیے ہیں ایک مودت کا اور ایک رحمت کا۔ یہ بھی قرآن مجید کی خوبصورتی دیکھیے کہ میاں بیوی کی جوانی کی زندگی کے لیے "مودت" کا لفظ استعمال کیا گیا۔ کہ جب میاں بیوی کو ایک دوسرے کی جسمانی (Biological) ضرورت ہوتی ہے۔ اس دوران میں اگر وہ کسی موقع پر ایک دوسرے سے خفا بھی ہوتے ہیں تو تھوڑی دیر کے بعد پھر ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھے بھی ہو جاتے ہیں۔ ان کو ایک دوسرے کے قریب کرنے کے لیے دونوں کی ایک جسمانی ضرورت بھی ہوتی ہے۔

لیکن جب میاں بیوی بوڑھے ہو جاتے ہیں تو اب ان کو ایک دوسرے کی جسمانی ضرورت کم ہو جاتی ہے۔ اب اس موقع پر وہ ایک دوسرے کے کیسے قریب رہیں اس کے لیے قرآن مجید نے "رحمت" کا لفظ استعمال کیا۔ کہ تمہیں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی بھی ہونی چاہیے۔ گویا یہ بتایا گیا کہ جب تم جوانی کی زندگی سے گزر کر بڑھاپے کی زندگی کو پہنچو گے تو خاوند یہ سوچے کہ میری بیوی نے اپنی پوری جوانی میری خدمت میں گزار دی، اب بوڑھی ہو گئی ہے، لہٰذا اب مجھے اتنے اچھے گزرے ہوئے وقت کا لحاظ کرنا ہے اور اس بڑھاپے میں اگر بیوی سے کوئی کوتاہی ہوتی ہے تو مجھے اس کو معاف کر دینا ہے۔ اور دوسری طرف بیوی یہ سوچے کہ یہ وہی خاوند ہے جس نے میرے اور میرے بچوں کے لیے اپنی جوانی لگا دی، اب یہ بوڑھا ہو گیا ہے۔ اب اگر اس کو غصہ زیادہ آتا ہے یا اس کے اندر بے حوصلگی آ گئی تو مجھے اس کے ساتھ گزارا کرنا ہے، کیونکہ اس نے زندگی کا اتنا اچھا وقت میرے ساتھ گزارا ہے۔ گویا ایک دوسرے کے اچھے گزرے ہوئے وقت کا لحاظ رکھنا "رحمت" کہلاتا ہے۔ اگر ان دو چیزوں کا خیال رکھا جائے تو انسان کی پوری زندگی الفت و محبت میں گزرتی ہے۔

ساس اور سسر کا مقام:

شریعت نے ہمیں بتلایا کہ جب انسان کا نکاح ہوتا ہے تو اس کے لیے ساس اور سسر بھی، ماں باپ کا درجہ رکھتے ہیں۔ گویا نکاح کے بعد مرد کی دو مائیں اور دو باپ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح عورت کی بھی دو مائیں اور دو باپ ہو جاتے ہیں۔ اگر شریعت کی بتائی ہوئی اس بات پر عمل کریں اور لڑکی اپنی ساس کو بھی اپنی ماں کی نظر سے دیکھے اور سسر کو اپنے باپ کی نظر سے دیکھے تو درمیان میں کوئی پریشانی آ بھی نہیں سکتی۔ پریشانی اس وقت شروع ہوتی ہے جب وہ ماں کی بات کو تو آرام سے برداشت کر لیتی ہے لیکن ساس کے سمجھاتے ہوئے مشورے کو بھی برا سمجھتی ہے۔ یا دوسری طرف، ساس اگر بہو کو اپنی بیٹی کی نظر سے دیکھے تو درمیان میں کوئی پریشانی آ ہی نہیں سکتی۔ پریشانی شروع بھی اس طرح ہوتی ہے کہ بہو چھوٹی سی غلطی کرے تو ساس اس کی غلطی کو دوسروں کے سامنے بتاتی پھرتی ہے۔ اور اس کی اپنی بیٹی اس سے دس گنا زیادہ بڑی غلطی کرلے تو ماں اس کو چھپاتی پھرتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ساس اور سسر کو ماں اور باپ کا درجہ دیا جائے اور بہو کو بیٹی کا درجہ دے دیا جائے تو گھر کے اندر کے مسائل خود بخود حل ہوتے چلے جائیں گے دیکھیے کہ شریعت نے ہمیں کتنا اچھا اصول بتایا ہے۔

گھر آباد کرنے کی پوری کوشش کریں:

ہمارے اس ماحول معاشرے کی بچیاں جب اپنے گھروں سے رخصت ہوتی ہیں تو ننانوے فیصد بچیوں کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ ہم نے اپنا گھر بسانا ہے۔ لہٰذا اب یہ خاوند پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ کس قسم کا سلوک کرتے ہیں۔ اگر وہ حسن سلوک کا معاملہ کرلے تو گھر آباد ہو جاتا ہے اور اگر وہ لڑکی کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ نہ کرے

تو پھر گھر برباد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ خاوند اور بیوی دونوں کو چاہیے کہ وہ اپنے گھر کو آباد کرنے کے لیے پوری پوری کوشش کریں۔

گھریلو جھگڑوں سے بچنے کی آسان تدبیر:

جب بھی میاں بیوی کے درمیان کسی قسم کا اختلاف ہوتا ہے تو وہ کسی نہ کسی تیسرے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کی وجہ سے کبھی بھی جدا نہیں ہوتے۔ ہمیشہ کسی تیسرے کی وجہ سے جدا ہوتے ہیں۔ وہ تیسرا بندہ مرد کے گھر والوں میں سے بھی ہو سکتا ہے، یا عورت کے گھر والوں میں سے بھی ہو سکتا ہے۔ یا کوئی اور تیسرا بندہ ہو سکتا ہے۔ ہمیشہ کسی تیسرے بندے کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان جدائیاں آتی ہیں۔ چنانچہ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ میاں اور بیوی نے کسی تیسرے کی وجہ سے آپس کے تعلقات کو خراب نہیں ہونے دینا۔

اس کے لیے ایک آسان اصول یہ ہے کہ جب شادی ہو تو اس وقت لڑکی کو چاہیے کہ وہ اپنے خاوند کے جتنے رشتہ دار ہیں ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی ذمہ داری قبول کرلے۔ یعنی یہ ذمہ داری بیوی کی ہونی چاہیے۔ اور خاوند کو چاہیے کہ وہ بیوی کے جتنے عزیز و اقارب ہیں ان کو خوش رکھنے کی ذمہ داری قبول کرلے۔ اب جب خاوند، بیوی کے رشتہ داروں کو خوش رکھے گا اور بیوی، خاوند کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ رکھے گی تو صاف ظاہر ہے کہ دونوں کی زندگی خوشیوں بھری اور بہت ہی پرسکون گزرے گی۔ اس لیے دونوں کو چاہیے کہ اپنے گھر کو آباد کرنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ محبت و پیار کی زندگی گزاریں۔ چنانچہ بتایا گیا ہے:

House is built by hands,but home is built by hearts.

''جب اینٹیں جڑتی ہیں تو مکان بن جاتا ہے اور جب دل آپس میں جڑتے

ہیں تو گھر آباد ہو جاتے ہیں“

True blove does not consist of holding hands, it consist of holding hearts.

”سچی محبت، ہاتھوں کے ملنے سے نہیں ہوتی، یہ تو دلوں کے ملنے سے ہوتی ہے، گویا شادی کا رشتہ، دلوں کا ایک دوسرے کے ساتھ جڑ جانا ہے

علما نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اماں حوا کو حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا۔ سر سے اس لیے پیدا نہیں کیا کہ کہیں سر پہ نہ بٹھا دیا جائے اور پاؤں سے اس لیے پیدا نہیں کیا کہ اس کو پاؤں کی جوتی ہی نہ بنا لیا جائے۔ پسلی سے اس لیے پیدا کیا کہ اس کو محبت کے ساتھ دل کے قریب رکھا جائے۔ چنانچہ جب میاں بیوی، دونوں محبت و پیار کی زندگی گزارتے ہیں تو یقیناً گھر کے اندر سکون ہوتا ہے۔

شادی کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے:

شادی کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ خاوند نے بیوی کے ذریعے سے گناہوں سے بچنا ہوتا ہے اور بیوی نے اپنے خاوند کے ذریعے سے گناہوں سے بچنا ہوتا ہے۔ جب دونوں ایک دوسرے کے ذریعے سے گناہوں سے بچیں گے تو ان کو اللہ کا قرب ملے گا، گھر میں برکتوں اور رحمتوں کی بارش ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ان کو سرخروئی نصیب ہوگی۔ اس لیے دونوں کو چاہیے کہ محبت و پیار کے ساتھ زندگی گزاری جائے۔

ازدواجی زندگی اور تحمل مزاجی:

انسانی زندگی میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں۔ مگر کامیاب زندگی ان کو نصیب ہوتی ہے جن کے اندر تحمل مزاجی ہوتی ہے۔ تحمل مزاجی کہتے ہیں برداشت کو۔ کہ انسان کسی بھی بات پر ضد میں آ کر ردعمل نہ کرے، بلکہ اگر کوئی بات سامنے آئے بھی تو ٹھنڈے دل

ودماغ سے سوچے اور پھر اس کے بعد کوئی قدم اٹھائے یا زبان سے لفظ بولے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ نوجوان اکثر یہ غلطی کر جاتے ہیں کہ ذرا سی بات پر میاں بیوی میں دلائل کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور پھر وہ دلائل کا سلسلہ ایسا چلتا ہے کہ بات کا بتنگڑ بن جاتا ہے۔ کئی مرتبہ تو لکھے پڑھے لوگ بھی یہ غلطی کر جاتے ہیں۔

مجھے ایک ملک میں بتایا گیا کہ میاں بیوی دونوں پی ایچ ڈی ڈاکٹر تھے۔ تیس سال کی زندگی گزارنے کے بعد ان کے درمیان جدائی ہوگئی...... وجہ کیا تھی؟ وجہ یہ بنی کہ ایک دن میاں دیر سے اٹھا، دفتر جانا تھا۔ اس سے پہلے اس نے کچن کے سینک کے اندر ٹوتھ پیسٹ کی اور اس کے بعد اپنے دفتر چلا گیا۔ جب بیوی آئی اور اس نے دیکھا کہ کچن کے سینک کے اندر ٹوتھ پیسٹ کی گئی ہے تو اس کو بہت غصہ آیا۔ چنانچہ جب خاوند دفتر سے واپس آیا تو بیوی تو پہلے ہی غصے میں تھی، چنانچہ اس نے کہا کہ تم بہت ہی رف ہو اور بہت ہی ٹف ہو، تمہارے اندر تو سلیقہ مندی ہے نہیں، تمہیں آداب نہیں آتے، تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں۔ اتنی چھوٹی سی بات پر ان کے درمیان دلائل کا سلسلہ شروع ہوا اور نتیجہ یہ نکلا کہ خاوند نے بیوی کو طلاق دے دی۔

جب میں نے یہ بات سنی تو میں نے کہا: واقعی! دونوں پی۔ ایچ ڈی لگتے ہیں۔ کسی نے پوچھا: جی! وہ کیسے؟ میں نے کہا: انگلش کے پی ایچ ڈی نہیں، اردو کے پی ایچ ڈی اس نے پوچھا: کیا مطلب؟ میں نے کہا: پی ایچ ڈی کا مطلب ہے پھرا ہوا دماغ۔ کہ دونوں کا دماغ پھرا ہوا تھا۔ ان کو اتنی بھی سمجھ نہیں تھی کہ ہمیں تیس سال گزارنے کی کچھ تو لاج رکھنی چاہیے۔

بعض نوجوان بچے ایک دوسرے کے ساتھ بہت ہی تیزی کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں ان کو سمجھانا چاہیے کہ

Please slow down to the speed of life

زندگی کی ایک رفتار ہے اس کے ساتھ زندگی گزاریں گے تو زندگی اچھی گزرے گی اور اگر اس سے رفتار بہت زیادہ بڑھالیں گے تو پھر آپ مشکل میں پڑ جائیں گے۔ اچھے لوگ وہی ہوتے ہیں جن کے اندر قوت برداشت (Tolerance) ہو۔ دیکھیں! آج سائنسی دور ہے، ہر جگہ مشینری لگ رہی ہے اور لوگ بھی مشینری کی استعمال کا تجربہ رکھتے ہیں۔ جب بھی کوئی مشین بنتی ہے تو اس کے بنانے کے دوران ڈیزائن بناتے وقت ہر چیز میں قوت برداشت (Clearance Tolerance) رکھی جاتی ہے۔ مثلاً شافٹ کا سائز اتنا ہے، اس پر بیرنگ نے فٹ ہونا ہے۔ تو بیرنگ اور اس کے درمیان اتنی Clearance ہوگی۔ پھر بیرنگ نے اپنی Housing میں فٹ ہونا ہے تو اتنے سائز کی اتنی Clearance ہوگی۔ اس Clerance Tolerance کے اصول پر آج پوری دنیا میں مشینیں بن رہی ہیں اور چل رہی ہیں۔ اگر Clearance کو صفر (Zero) کر دیا جائے تو نہ تو دنیا کی کوئی مشین فٹ ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی مشین چل سکتی ہے۔

بالکل اسی طرح جن میاں بیوی کے درمیان قوت برداشت (Tolerance) صفر ہو جائے، ان کی زندی کی گاڑی آگے چل ہی نہیں سکتی۔ گاڑی اچھے طریقے کے ساتھ تب چلے گی جب دونوں ایک دوسرے کے ساتھ قوت برداشت کا معاملہ رکھیں۔ آخر دونوں انسان ہیں۔ کبھی کسی کا مزاج کیسا، موڈ کیسا، سوچ کیسی۔ لہٰذا اگر دوسرے نے کبھی کوئی ایسی بات کر بھی دی تو اس کو تھوڑی دیر کے لیے آپ برداشت کر لیجیے۔ ممکن ہے کہ چند ہی لمحوں میں اس کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور وہ خود ہی آپ سے معافی مانگ لے۔

ناموافق حالات کا مقابلہ:

ازدواجی زندگی میں جتنی پختگی زیادہ ہوگی اتنا ہی زیادہ اچھا ہوگا۔ اس لیے کہا گیا:

High winds blow on high mountains

''اونچے پہاڑوں کے اوپر آندھیاں بھی بہت تیز چلتی ہیں''

اگر زندگی میں حالات کے اتار چڑھاؤ کی آندھی آ جائے تو بندے کو چاہیے کہ وہ پہاڑ کی طرح اس کو برداشت کر لے۔ اللہ رب العزت مہربانی فرما دیتے ہیں۔

آپ ذرا ایسے درخت کے بارے میں سوچیں جو سرد علاقے میں ہے۔ جب سردی کا موسم شروع ہوتا ہے تو اس کے پھل ختم ہو جاتے ہیں، پھول ختم ہو جاتے ہیں، پتے گر جاتے ہیں۔ ٹنڈ منڈ درخت نظر آ رہا ہوتا ہے۔ لیکن اس درخت کو پتہ ہوتا ہے کہ اس وقت حالات سازگار نہیں ہیں، مجھے صبر کے ساتھ وقت گزارنا ہے، ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑے برداشت کرنے ہیں، برف بھی پڑے گی تو مجھے اس کو برداشت کرنا ہے۔ اس کے بعد ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ یہ نامناسب ماحول بھی ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ درخت کھڑا رہتا ہے اور سردیوں میں بالکل خشک لکڑی کی طرح نظر آتا ہے۔ اس پر برف بھی گرتی ہے۔ ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑے بھی پڑتے ہیں۔ سب کچھ ہوتا ہے لیکن وہ درخت برداشت کرتا رہتا ہے۔ یہ چند مہینوں کی بات ہوتی ہے۔ اس کے بعد بالآخر سردی کا موسم ختم ہوتا ہے۔ بہار کا موسم شروع ہو جاتا ہے اور اسی ٹنڈ منڈ درخت کے اندر سے پھر کونپلیں نکلنا شروع ہو جاتی ہیں۔ وہ شاخیں بنتی ہیں اور ان کے اوپر پھول لگتے ہیں۔ بالآخر اللہ تعالیٰ اس درخت کو پھلوں سے نواز دیتے ہیں۔ یہ ہوتا ہے صبر کا پھل

خاوند اور بیوی کو بھی سوچنا چاہیے کہ اگر کبھی ناموافق حالات آ جائیں تو یہ حالات ہمیشہ نہیں رہیں گے، اگر عقل مندی کر کے صبر کے ساتھ اس وقت کو گزار لیا جائے تو تھوڑے ہی دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ حالات کو پھر سازگار بنا دیتے ہیں اور انسان کو پھر بہار جیسی زندگی نصیب ہو جاتی ہے۔ یعنی زندگی کے ان اونچ نیچ کے حالات میں جو میاں

بیوی اچھے انداز سے زندگی گزاریں، انہی کی زندگی کامیاب زندگی ہوتی ہے۔اس لیے کسی نے کہا:

To run a big show, should have a big heart..

''بڑا کام کرنے کے لیے دل بڑا ہونا چاہیے''

لہٰذا شادی کے بعد نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ اپنا دل بڑا کرلیں اور زندگی کے ہر قسم کے حالات میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت و پیار کی زندگی گزارنے کی کوشش کریں اسی سے کامیابی ہوجائے گی۔

ازدواجی زندگی میں سنتوں کا التزام:

اگر ہم نبی علیہ السلام کی مبارک سنتوں پر عمل کریں گے تو یقیناً کامیاب زندگی گزرے گی۔ہمیں دراصل مصیبت وہاں پیش آتی ہے جہاں ہم شریعت کے بتائے ہوئے اصولوں کو نظرانداز کرتے ہیں اور پھر ہم اپنی زندگی میں اس کی وجہ سے پریشانیاں اٹھاتے ہیں۔

کراچی میں ایک جوڑا تھا۔میاں بیوی، دونوں نوجوان تھے۔تیس سال کے قریب کی عمر تھی۔انہوں نے میری طرف رجوع کیا کہنے لگے: جی! ہم دونوں نے بہت اچھی طرح بیٹھ کر سوچا ہے، ہمارے ذہن ایک دوسرے سے ملتے نہیں، اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ جدائی ہوجائے مگر ہم نے ابھی اپنے گھروالوں کو نہیں بتایا چونکہ آپ کے ساتھ ہمارا اصلاحی تعلق ہے اس لیے سوچا کہ پہلے آپ کو بتادیں۔میں نے انہیں کہا کہ آپ لوگ چند مہینوں کے لیے اپنے اس فیصلے کو مؤخر کردیں اور جیسے میں کہوں آپ اپنی زندگی ویسے گزاریں۔انہوں نے کہا: جی بہت اچھا۔

اب جب میں نے ان دونوں سے بات چیت کی تو مجھے تھوڑی دیر میں ہی معلوم ہوگیا

کہ مسئلہ اصل میں خاوند کا تھا کہ ان دنوں پورے ملک کے اندر کاروبار کی مصروفیات بہت کم تھیں، کوئی ٹیکس کا معاملہ تھا اور ہڑتالیں ہو رہی تھیں۔ اس کی وجہ سے کئی کئی دن مارکیٹیں بند رہتی تھیں۔ ادھر اس لڑکے نے رقم کی ادائیگی کرنی ہوتی تھی اور جب اس کی آمدنی نہیں ہوتی تھی تو صاف ظاہر ہے اس کو پریشانی ہوتی تھی۔ چنانچہ جب وہ نوجوان شام کو گھر واپس آتا تو بہت سنجیدہ اور پریشان ہوتا کہ میرے کاروبار کا کیا بنے گا۔ اس لیے جب وہ گھر میں داخل ہوتا اور بیوی اس کا چہرہ دیکھتی کہ یہ بہت ہی سنجیدہ ہے تو اس کا بڑا دل دکھتا۔ کیونکہ وہ تو کھانا بنا کر ایک دو گھنٹے سے انتظار میں بیٹھی ہوتی تھی کہ میرا خاوند آئے گا اور میں اس کے ساتھ مل کے کھانا کھاؤں گی۔ اور جب وہ خاوند کو دیکھتی کہ وہ اتنا سنجیدہ ہے تو وہ ذہن میں یہ سوچتی کہ شاید میں اسے پسند نہیں ہوں، یہ مجھے پسند ہی نہیں کرتا۔ اس سے اسے غصہ بھی آتا کہ میں اس کے لیے اتنی دیر سے انتظار میں بیٹھتی ہوں اور یہ آتا ہے تو اس کا منہ ہی ٹھیک نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک لفظ سے بات شروع ہوتی اور

They used to end up with the discussion and orguments

''بحث مباحثہ اور دلائل پر بات ختم ہوتی''

جب روز کا جھگڑا شروع ہوا تو بالآخر دونوں نے سوچا کہ اگر ہم ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اچھا ہے۔

جب میں نے ان کی روز کی یہ کیفیت معلوم کر لی تو میں نے انہیں کہا کہ آپ ذرا چند مہینے تک اس معاملے کو مؤخر کریں اور نبی علیہ السلام کی ایک سنت پر عمل کریں۔ وہ پوچھنے لگے: کیا؟ میں نے کہا: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام جب بھی باہر سے گھر تشریف لاتے تھے تو مسکراتے چہرے کے ساتھ تشریف لاتے تھے اور

اپنے اہل خانہ کو سلام کیا کرتے تھے۔

میں نے اس خاوند کو سمجھایا: بھئی! آپ کے کاروبار کا معاملہ اچھا نہیں چل رہا۔ یہ آپ کی بیوی کا قصور تو نہیں ہے۔ آپ جب اپنے دفتر کا دروازہ بند کرنے لگا کریں تو اپنے کاروبار کی جتنی بھی پریشانی ہے اس کو دفتر کے اندر رکھ کر سب کو تالا لگا دیا کریں اور جب گھر میں آیا کریں تو آپ بہت فریش اور اچھے موڈ کے ساتھ آیا کریں۔ اس لیے کہ بیوی کا تو اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ اس کو تو محبت اور پیار چاہیے۔ نبی علیہ السلام کی یہ مبارک سنت ہے کہ آپ ﷺ جب گھر تشریف لاتے تھے تو مسکراتے چہرے کے ساتھ تشریف لاتے تھے اور اپنے اہل خانہ کو سلام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب آپ بھی آیا کریں تو نبی علیہ السلام کی اس سنت پر عمل کیا کریں۔

پھر میں نے اس کی بیوی کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نبی علیہ السلام کا استقبال کرنے کے لیے دروازے کے قریب پہنچ جایا کرتی تھی۔ چنانچہ میں نے اسے یہ سمجھایا کہ جب خاوند آئے تو دروازہ کھولنے کے لیے آپ دروازے پر جایا کریں اور مسکرا کر اپنے خاوند کا استقبال کیا کریں۔

اب جب ان دونوں نے ان باتوں پر عمل کرنا شروع کیا تو ٹھیک ایک مہینے کے بعد دونوں میاں بیوی نے فون پر رابطہ کیا اور کہنے لگے: حضرت! ہمارا یہ ایک مہینہ ہنی مون کی حالت میں گزرا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ دنیا میں ہم سے زیادہ ایک دوسرے سے محبت کرنے والے میاں بیوی کوئی ہوں گے ہی نہیں۔ وجہ کیا تھی؟ کہ جب دروازہ کھلتا تھا اور خاوند بھی مسکراتے چہرے کے ساتھ اندر داخل ہوتا تھا اور بیوی بی خاوند کا چہرہ دیکھ کر مسکرا دیتی۔ جب دونوں طرف سے مسکراہٹیں ہوتیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیتے۔

پھر میں نے ان کو ایک حدیث پاک سنائی۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جب خاوند اپنی بیوی کو دیکھ کر مسکراتا ہے اور بیوی اپنے خاوند کو دیکھ کر مسکراتی ہے تو اللہ رب العزت ان دونوں کو دیکھ کر مسکراتے ہیں۔

جھگڑے کو ختم کر کے سوئیں:

اگر کبھی ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف رائے (Difference of Opinion) ہو بھی جائے تو جب تک اس کو سلجھا نہ لیا جائے اس وقت تک میاں بیوی کو سونا ہی نہیں چاہیے۔ سونے سے پہلے اپنے جھگڑے کو ختم کر کے سونا چاہیے۔ اس کو کہتے ہیں:

Sit and Sttle Policy ''مل بیٹھنا اور ایک دوسرے کو سمجھانا''

اس لیے میاں بیوی کو چاہیے کہ وہ اس پالیسی پر عمل کر لیں، مل بیٹھیں اور ایک دوسرے کو بات سمجھانے کی کوشش کریں اور جب تک ایک دوسرے کو نہ سمجھا لیں تب تک نہ سوئیں۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مسئلہ ہی ایسا ہو کہ وہ سلجھنے والا ہی نہ ہو تو اس صورت میں ان کو مجلس کا اختتام کس طرح کرنا چاہیے؟...... انہیں چاہیے کہ وہ اس بات پر عمل کریں:

Let us agree upon dis-agree in tonight.

''چلیں آج ہم اس بات پر رضا مند ہو جاتے ہیں کہ ہم اس پوائنٹ پر رضا مند نہیں ہو سکے''

تب جا کے سونا چاہیے۔ جب اس طرح میاں بیوی کسی ایک نتیجے تک پہنچیں گے تو زندگی کی مشکلات کوئی مشکلات نہیں رہیں گی۔

معذرت کر لیا کریں:

خاوند کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

After winning an argument with the wife, the wisest thing a husband can do, is to apologise.

اس اصول کے تحت خاوند کو بھی چاہیے کہ وہ بھی معذرت کر لے اور بیوی کو چاہیے کہ وہ بھی معذرت کر لے تاکہ دونوں محبت و پیار کی زندگی گزار سکیں۔

میاں بیوی کی باہمی محبت:

یہ محبت جو ہے، میاں بیوی دونوں کے دلوں میں ہوتی ہے۔ انگلش میں کہتے ہیں:

''دل کو دل سے راہ ہوتی ہے'' **Love begets love.**

اگر خاوند کے دل میں محبت ہوگی تو بیوی کے دل میں محبت کے اور زیادہ جذبات ہوں گے۔ اگر یہ چیز زندگی کے اندر ہو تو زندگی اچھے طریقے سے گزر جاتی ہے۔ نبی علیہ السلام نے یہ تعلیم دی کہ خاوند اور بیوی دونوں جتنی محبت کی زندگی گزاریں گے اتنا ان کو اللہ رب العزت کی طرف سے اجر و پیار ملے گا اس لیے کہتے ہیں:

Everything in the household runs smoothly, when love oils the machinary.

جب آپس میں محبت و پیار ہوگا تو زندگی کی گاڑی بہت اچھی چلتی رہے گی۔

یاد رکھیں! جہاں محبت موٹی ہوتی ہے وہاں عیب چھوٹے ہوتے ہیں اور جہاں محبت چھوٹی ہوتی ہے وہاں پر عیب بڑے موٹے ہوتے ہیں۔ جب بنیادی طور پر محبت و پیار کی زندگی گزرے گی تو پھر ایک دوسرے کی غلطی کوتاہیوں کو درگزر کرنا بھی آسان ہو جائے گا۔ میاں بیوی کو چاہیے کہ ایک دوسرے کی عزت بھی کریں، ایک دوسرے کو محبت بھی دیں، ایک دوسرے کی ضروریات کا بھی خیال رکھیں، ایک دوسرے کا تحفظ کریں اور ایک دوسرے کا وفادار بن کر رہیں۔ جب اس طرح زندگی گزاریں گے تو پھر دیکھنا کہ گھر جنت

کا نمونہ بن جائے گا۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ

''تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو تم میں سے اپنے اہل خانہ کے لیے بہتر ہے''

اگر انسان کا اندازہ لگانا ہو کہ یہ کتنا اچھا آدمی ہے تو اس کے بزنس سے اندازہ نہیں لگائیں گے، یا اس کے دوستوں کی مجلس سے اندازہ نہیں لگائیں گے، بلکہ اندازہ اس بات سے لگائیں گے کہ یہ اپنے گھر میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ کیسا ہے۔ اگر ان کے ساتھ اچھی زندگی گزار رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک اچھا انسان ہے۔ اور اگر ان کے ساتھ اچھی زندگی نہیں گزار رہا تو پھر یہ اچھا انسان نہیں ہے۔ اس لیے فرمایا:

((أَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي))

''میں تم سب میں سے اپنے اہل خانہ کے لیے زیادہ اچھا ہوں''

نبی علیہ السلام نے اپنی مثال دے کر فرمایا کہ دیکھو میں تم میں سے اپنے اہل خانہ کے لیے سب سے زیادہ بہتر ہوں۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ ہم الفت و محبت کی زندگی گزاریں اور زندگی کی پریشانیوں کو مل جل کر ان کو حل کرنے کی کوشش کریں۔

دو طرح کی گاڑیاں:

دیکھیے! گاڑیاں ہوتی ہیں دو طرح کی۔ ایک ہوتی ہے پسنجر ٹرین اور ایک ہوتی ہے ایکسپریس ٹرین۔ پسنجر ٹرین جب چلتی ہے تو آہستہ سپیڈ سے چلتی ہے اور ہر چھوٹے بڑے اسٹیشن پر کھڑی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے بڑے دنوں کے بعد منزل پر پہنچتی ہے۔ اس لیے لوگ پسنجر ٹرین پر سفر کرنا پسند ہی نہیں کرتے۔ بلکہ دفتروں میں کام کرنے والے لوگ اور کاروبار کرنے والے لوگ پسنجر ٹرین پر سوار ہی نہیں ہوتے کہ اس سے بہت زیادہ وقت

ضائع ہو جاتا ہے۔لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ایکسپریس ٹرین سے جائیں گے......ایکسپریس ٹرین کیا کرتی ہے؟...... یہ بہت سپیڈ کے ساتھ چلتی ہے اور اگر راستے میں کوئی اسٹیشن آ جائے تو یہ تھوڑی دیر کے لیے رکتی تو ہے لیکن جیسے ہی اسٹیشن کو کراس کرتی ہے تو اس کے بعد پھر تیز سپیڈ سے چلنا شروع کر دیتی ہے۔اس طرح یہ بہت جلدی منزل پر پہنچتی ہے اور لوگ کئی گناہ زیادہ کرایہ دے کر اس ٹرین پر سفر کرنا پسند کرتے ہیں۔

انسانوں کی مثال بھی ان دو ٹرینوں کی سی ہے۔ہم نے دیکھا کہ بعض لوگ تو ایکسپریس ٹرین کی طرح زندگی گزارتے ہیں۔مثلاً ان کی زندگی کا مقصد اللہ کو راضی کر کے زندگی گزارنا ہوتا ہے۔اور خوشیوں بھری زندگی گزارنا ہوتا ہے۔لہٰذا وہ سب کے ساتھ اچھے اخلاق کی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔اگر کبھی کوئی جھگڑا یا کوئی مسئلہ پیش آتا بھی ہے تو ان کی زندگی کی رفتار تھوڑی دیر کے لیے تو آہستہ ہوتی ہے مگر وہ پھر تیز چلنا شروع کر دیتے ہیں اور معاملے کو جلدی جلدی رفع دفع کر دیتے ہیں۔اس طرح وہ اپنی زندگی کی منزل کو سامنے رکھتے ہیں۔اور کئی لوگ پسنجر ٹرین کی مانند ہوتے ہیں۔چنانچہ بعض میاں بیوی کو دیکھا کہ ذرا سی بات ہوئی تو دونوں میں آپس میں دلائل اور بحث ومباحثہ کا سلسلہ شروع ہو گیا اور پھر ایک دوسرے سے بولنا بند کر دیا۔اب ان کی یہ پسنجر ٹرین چھوٹے سے اسٹیشن پر کھڑی ہے۔کئی دن ایک دوسرے سے نہیں بولتے، پھر اس کے بعد بولنا شروع کر دیتے ہیں اور زندگی کی گاڑی پھر چلنا شروع کر دیتی ہے۔پھر کسی دن چھوٹی موٹی بات آ گئی پھر جھگڑا شروع ہو گیا اور پھر پسنجر ٹرین چھوٹے سے اسٹیشن پر کھڑی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ان کے گھروں میں دیکھا کہ ہر دوسرے چوتھے دن کوئی نہ کوئی بات ہوتی رہتی ہے۔ یہ پسنجر ٹرین کی سی زندگی گزارنے والے لوگ ہیں۔اللہ رب العزت کے ہاں یہ لوگ اتنے مقبول نہیں ہوتے بلکہ جو لوگ معاملے کو جلدی سمیٹ کر رفع دفع کر کے محبت کی زندگی

گزارنے والے ہوتے ہیں وہ اچھے لوگ ہوتے ہیں۔اس لیے فرمایا:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ

''تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو تم میں سے اپنے اہل خانہ کے لیے بہتر ہے''

ناشکری سے بچیں:

انسان کی عادت ہے کہ وہ بہت ناشکرا ہے۔چنانچہ کئی دفعہ دیکھا کہ خاوند بیوی کے لیے جتنا کچھ کرلے، ذراسی کوئی کوتاہی رہ گئی تو بیوی فوراً گلہ دیتی ہے اور کئی جگہوں پر دیکھا کہ بیوی خاوند کے لیے کتنی بھی قربانی دے دے، ذراسی کوئی بات ہوئی تو خاوند فوراً اعتراض کردیتا ہے۔ایسانہیں کرنا چاہیے اس لیے انگریزی میں کہتے ہیں کہ اللہ کی صفت دیکھو.

''اللہ دیتا بھی ہے اور معاف بھی کردیتا ہے'' Allah gives and forgives

اور بندے کا حال دیکھو:

''بندہ لیتا بھی ہے اور بھول بھی جاتا ہے'' Man gets and forgets

یعنی دوسروں کی اچھائیوں کو بھول جاتا ہے اور کوتاہیوں کو یاد رکھتا ہے۔میاں بیوی میں ایسا تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ کوتاہیوں کو بھول جانا چاہیے اور اچھائیوں کو یاد رکھنا چاہیے، تاکہ الفت ومحبت کی زندگی گزرے۔اس لیے کہ اللہ رب العزت خوشیوں بھری زندگی گزارنے پر اور ایک دوسرے کی ہمدردی والی زندگی گزارنے پر بندے سے زیادہ خوش ہوتے ہیں۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل خانہ سے محبت:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام اپنے گھر میں تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ پیالے میں پانی پی رہی تھیں۔ نبی علیہ السلام

نے دور سے ہی دیکھ کر فرمایا: حمیرا! میرے لیے بھی پانی بچا دینا...... اب یہاں یہ بات ذہن میں رکھیں کہ نام تھا عائشہ صدیقہؓ مگر نبی علیہ السلام نے ان کو پیار سے حمیرا کہا۔ حمیرا کا لفظ احمر سے نکلا ہے۔ احمر عربی میں سرخ کو کہتے ہیں۔ گویا جو سرخ اور سفید شخصیت ہو تو اس کو حمیرا کہیں گے۔ یوں سمجھیے کہ جیسے آج انگریزی زبان میں کسی کو پنکی کہہ دیا جائے، اسی طرح نبی علیہ السلام نے بھی بالکل اسی معنی کے ساتھ سیدہ عائشہ صدیقہ کو حمیرا کہا۔ یہاں سے یہ بھی پتہ چلا کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو پیار کا ایسا کوئی نام پکارے جو بیوی کو بھی اچھا لگے تو یہ بھی نبی علیہ السلام کی مبارک سنت ہے...... جب نبی علیہ السلام نے پکار کر فرمایا: حمیرا...... تو جواب ملا: لبیک یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے ارشاد فرمایا: کچھ پانی میرے لیے بھی بچا دینا۔ جب آپ ﷺ نے یہ حکم فرمایا تو سوچیں کہ یہ کیا تھا۔ کیا پانی کی کوئی کمی تھی؟ نہیں، بلکہ نبی علیہ السلام اگر اشارہ فرماتے تو ٹھنڈا تازہ پانی آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا۔ لیکن جیسے کہتے ہیں نا، عشق اور مشک اظہار چاہتا ہے۔ عشق جہاں بھی ہوتا ہے وہاں اظہار مانگتا ہے۔ چونکہ نبی علیہ السلام کو اپنے اہل خانہ سے محبت تھی اس لیے محبت کے اظہار کے لیے آپ نے ارشاد فرمایا: حمیرا! کچھ پانی میرے لیے بھی بچا دینا۔ چنانچہ انہوں نے تھوڑا سا پانی بچا دیا۔

جب نبی علیہ السلام قریب تشریف لائے تو آپ ﷺ نے وہ پیالہ اپنے ہاتھ میں لیا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ ہاتھ میں لینے کے بعد آپ ﷺ تھوڑی دیر کے لیے رک گئے اور آپ ﷺ نے ایک دوسرا سوال فرمایا۔ پوچھا حمیرا! تم نے کس جگہ پر لب لگا کر پانی پیا تھا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے اشارے سے بتلایا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! میں نے اس طرف سے پانی پیا تھا۔ نبی علیہ السلام نے پیالے کے رخ کو پھیرا اور عین اسی جگہ آپ ﷺ نے بھی اپنے لب مبارک لگا کر پانی کو نوش فرمایا۔ جب خاوند اپنی بیوی کو اتنا

پیار دے گا تو اس کا دماغ خراب ہے کہ وہ اپنے گھر کو آباد نہیں کرے گی۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم نبی علیہ السلام کے ان مبارک طریقوں پر زندگی گزار کر اللہ کے ہاں بھی سرخرو ہوں اور دنیا میں بھی کامیاب ہوں۔

ازدواجی زندگی کی بنیاد:

کامیاب ازدواجی زندگی کے لیے یہ ضروری ہے کہ یاد رکھیں کہ یہ پیار کا رشتہ ہے۔ دین اسلام نے شادی کو دو انسانوں کا تعلق نہیں کہا، بلکہ دو خاندانوں کا تعلق کہا ہے۔ گویا دو بچوں کا جب نکاح ہوتا ہے تو دو خاندان اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ دونوں خاندانوں کی آپس میں محبت ہونی چاہیے۔ یاد رکھیں!

فرصت زندگی کم ہے محبتوں کے لیے
لاتے ہیں کہاں سے لوگ وقت نفرتوں کے لیے

تو ازدواجی زندگی کی بنیاد محبت پر ہوتی ہے۔ جتنی زیادہ گہری محبت ہوگی اتنی ہی کامیاب زندگی ہوں۔ اس لیے کسی کہنے والے نے کہا:

Love can transform the most common place. Into beauty and spleander and sweatness and grace. It sees with its heart and not with its mind. Love is the answer that every-one seaks. Love is the language that every-one speaks.

اللہ رب العزت ہمیں الفت و محبت کی زندگی گزارنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ○

ایک ہجوم اولاد آدم کا جدھر بھی دیکھیے
ڈھونڈ ہیے تو ہر طرف اللہ کے بندوں کا کال

....

اتنے اچھے موسم میں روٹھنا نہیں اچھا
ہار جیت کی باتیں کل پہ ہم اٹھا رکھیں

....

زندگی یونہی بہت کم ہے محبت کے لیے
روٹھ کر وقت گنوانے کی ضرورت کیا ہے

....

چمن کے رنگ گو تو نے سراسر اے خزاں بدلا
نہ ہم نے شاخ گل چھوڑی نہ ہم نے آشیاں بدلا

....

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾

شریعت پر استقامت

از افادات

حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

10 جنوری 2010ء جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی

شریعت پر استقامت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ. فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰہَ عَلَیْہِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰی نَحْبَہٗ وَمِنْهُمْ مَنْ یَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا○

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

فنا کے داغ سے داغدار دنیا:

یہ دنیا فنا کے داغ سے داغدار ہے اس کی ہر چیز فانی ہے علما نے لکھا ہے:

اَلْعَالَمُ حَادِثٌ

"یہ کائنات ختم ہونے والی ہے"

لِاَنَّہٗ مُتَغَیِّرٌ

''اس لیے کہ اس کے حالات ادلتے بدلتے رہتے ہیں

وَكُلُّ مُتَغَيِّرٍ حَادِثٌ

''ہر بدلنے والی چیز حادث ہوتی ہے''

''فَالْعَالَمُ حَادِثٌ''

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں:

انسان کا بچپن ہے پھر لڑکپن ہے، پھر جوانی ہے، پھر بڑھاپا ہے پھر دنیا سے چلے جاتا ہے۔

ایک مکان بنتا ہے نو بنے کا مرحلہ پھر اہل خانہ اس میں اپنی سہولت کی ہر چیز مہیا کرتے ہیں۔ کچھ سالوں کے بعد وہی مکان ہوتا ہے رہنے والے چلے جاتے ہیں۔ بوسیدہ ہو جاتے ہیں اور بالآخر آندھی، بارش کی وجہ سے چھتیں زمین پر آ کر گر جاتی ہیں۔

ایک پودا لگایا جاتا ہے کونپلیں کھلتی ہیں۔ پھول لگتے ہیں پھر پھل لگتے ہیں۔ بہار آتی ہے پھر ایک وقت آتا ہے وہی درخت زمین سے اکھڑ کر زمین پر پڑا ہوتا ہے۔

حالات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

اگر کوئی چیز ایک جیسی ہے تو وہ تغیر ہے۔ حالات ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ اسی طرح انسان کے حالات بھی ادلتے بدلتے ہیں۔ کوئی بندہ کبھی بھی ایک حال پر نہیں رہتا۔

دوام الحال من المحال:

ہمارے مشائخ نے فرمایا:

کہ ایک حال پر رہنا محال ہے۔

کبھی کوئی حال ہے کبھی کوئی حال ہے۔ چنانچہ ایک شاعر نے لکھا ہے۔

کہ ہر انسان کو اس دنیا میں آٹھ حالات سے آزمایا جاتا ہے جتنے بھی انسان

اس دنیا میں ہیں وہ ان آٹھ حالات میں سے کسی نہ کسی ایک حال میں ہیں۔

ثَمَانِیَةٌ تَجْرِیْ عَلَی النَّاسِ کُلِّهِمْ
وَلَابُدَّ لِلْاِنْسَانِ یَلْقَی الثَّمَانِیَة
سُرُوْرٌ وَحُزْنٌ وَاجْتِمَاعٌ وَفُرْقَةٌ
عُسْرٌ وَیُسْرٌ ثُمَّ سَقَمٌ وَعَافِیَةٌ

یہ آٹھ حالات ہیں جو انسانوں کے اوپر آتے رہتے ہیں۔اور انسان کو ان حالات کا سامنا کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

وہ کون سے ہیں:

سُرُوْرٌ وَحُزْنٌ:

یا ① خوشی کا حال یا ② غمی کا سماں

کسی کو پاس ہونے کی خوشی، کسی کو کاروبار ملنے کی خوشی، کسی کو نکاح ہونے کی خوشی، کسی کو اولاد ہونے کی خوشی، کسی کو کاروبار میں نفع ہونے کی خوشی۔

''وَحُزْنٌ'' اور کوئی مغموم ہے۔بیوی فوت ہوگئی، بیٹا فوت ہوگیا، کوئی عزیز و اقارب میں سے فوت ہوگیا، نقصان ہوگیا کاروبار میں، کوئی نہ کوئی ایسی بات پیش آئی جس کی وجہ سے یہ مغموم ہے تو یا ''سُرُوْرٌ'' کی کیفیت ہوگی یا پھر ''وَحُزْنٌ'' کی کیفیت ہوگی۔

''وَاجْتِمَاعٌ وَفُرْقَةٌ''

یا ③ وصل ہوگا یا ④ ہجر ہوگا

کوئی جدائی کے رونے رو[illegible] ٹھنڈ[illegible] آہیں بھرے گا، آنسو نکالے گا،

''کاش محبوب سے صل ہوجاتا''

اور کسی کو وصل کی خوشی نصیب ہوگی، وہ وصل کی لذتیں لیتا ہوگا۔

۵ عُسْرًا ۶ وَّيُسْرًا

کسی کے حالات تنگ ہوں گے، کسی پر حالات کھلے، کاروبار بند ہے، کام نہیں چلتا، Deal نہیں ہوتی، تنگی کے حالات ہیں ''یسر'' اور کسی کے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھلے حالات ہیں۔

ثُمَّ سُقْمٌ وَعَافِيَةٌ

۷ کوئی بیمار ہے ۸ کوئی صحت مند ہے

ہر انسان ان آٹھ حالات میں سے کسی نہ کسی ایک حال میں ضرور ہوتا ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے اوپر کوئی حال طاری نہیں ہے۔ یوں سمجھیں کہ ہر انسان ان آٹھ حالات کے ذریعے آزمایا جاتا ہے۔ اب دنیا آرام گاہ نہیں۔

''دنیا ایک امتحان گاہ ہے''

امتحان کی مختلف صورتیں:

امتحان کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں ایک ہوتا ہے تحریری امتحان کہ لکھا ہوا پرچہ ملا، قلم سے اس کا جواب لکھا۔ یہ تحریری امتحان کہلاتا ہے۔

تقریری امتحان (Intervew, viva):

ایک ہوتا ہے ''تقریری امتحان'' ''Intervew Viva'' کہ استاد نے سامنے بٹھا کے سوال پوچھا، اس کا جواب دے دیں، یہ تقریری امتحان کہلائے گا۔

عملی امتحان:

ایک ہوتا ہے ''عملی امتحان'' وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے اوپر کوئی حال بھیجتے

ہیں۔خوشی کا،غمی کا،حزن کا،بیماری کا صحت کا،اور پھر یہ دیکھتے ہیں کہ اس حال میں میرا یہ بندہ کرتا کیا ہے۔اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشی ملی اور بندے نے شکر ادا کیا۔بس اگر سختی کے حالات بھیجے، بندے نے صبر کیا۔بس اور اگر معاملہ ایسا کہ خوشی ملی اور سرکشی پر آ گیا۔ ایسے بھی تو لوگ ہیں خوشیوں میں ڈھول بجاتے ہیں، بھنگڑتے ڈالتے ہیں، نقلیں ہوتی ہیں عقل و شر کی۔تو خوشی نے ان کو...... اللہ سے غافل کر دیا۔اور ایسے بھی لوگ ہیں کہ وہ تنگی کے حالات میں مایوسی کے کلمات کہتے ہیں۔تو اس کو ''عملی امتحان'' کہتے ہیں۔

''یہ دنیا امتحان گاہ ہے''

اور ہم سب کے سب اس وقت یہ عملی امتحان دے رہے ہیں۔روز ایک نیا حال، نئی کیفیت اور روز فرشتے لکھتے ہیں کہ آج کے حال میں اس بندے نے جواب کیا دیا۔ شریعت کے مطابق یا شریعت کے خلاف دیا۔ Multiple Choice test ہوتا ہے ناں کہ آپ اس کا جواب یہ بھی لکھ سکتے ہیں، یہ بھی لکھ سکتے ہیں۔تو اللہ تعالیٰ نے بھی Multiple Choice دیا ہے۔خوشی دے کر دیکھتے ہیں کہ کرتا کیا ہے۔ میری نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے یا تکبر کے بول بولتا ہے تو یہ عملی امتحان ہے جو ہم میں سے ہر بندہ دے رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے مہمان:

اسی لیے یہ نعمتیں اور بلائیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے مہمان ہیں۔ یہ حالات خود نہیں آتے، کوئی بھیجنے والا بھیجتا ہے۔کسی مالک الملک کی منشا سے یہ حالات ہمارے اوپر آتے ہیں اور ہمارے عملوں کی وجہ سے:

جب کہا میں نے کہ یا اللہ تو میرا حال دیکھ
حکم آیا میرے بندے نامہ اعمال دیکھ

جیسی کرنی ویسی بھرنی:

''جیسی کروگے ویسی بھروگے''

''جو بوؤ گے وہی کاٹو گے''

As you sow So shall you reap.

''جو کانٹے بوئے گا وہ کانٹے کاٹے گا''

''جیسی کرنی ویسی بھرنی''

تو حالات آتے رہتے ہیں تو نعمت بھی مہمان اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلا بھی مہمان۔ اب مہمان کی مہمان نوازی کرنی چاہیے۔ تو نعمت کی مہمان نوازی شکر ادا کرنا اور بلاؤں کی مہمان نوازی کہ ان پر صبر کرنا۔ فرمایا:

وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَه

''ہم آزمائیں گے تمہیں اچھے حالات دے کر بھی اور برے حالات دے کر بھی''

فرمایا:

وَنَبْلُوَا أَخْبَارَكُمْ

تمہارے حالات کو جانچیں گے

نکتے کی بات:

مگر ایک نکتے کی بات سمجھیے:

کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتیں آئیں برسیں تو یہ مشکل سوال ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائشیں آئیں تو یہ آسان سوال ہے۔ تکلیفوں کے امتحان میں پاس ہونا آسان ہے۔ نعمتوں کے امتحان میں پاس ہونا یہ بڑا مشکل کام ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول:

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''ہم تکلیفوں میں آزمائے گئے تو ہم نے صبر کیا نعمتوں میں آزمائے گئے تو ہم جم نہ سکے''

تو جس بندے پر مشکل آتی ہے تو وہ صبر آسانی سے کر لیتا ہے ''یہ میرے اللہ کی مرضی ہے'' لیکن اگر اللہ تعالیٰ مال و دولت کی بہتات کر دے تو عجب سے، تکبر سے، بڑے بول سے، فخر سے، ان چیزوں سے بچنا بندے کے لیے بڑا مشکل ہے۔ مال کے فتنے میں تو ہر بندہ مبتلا ہوتا ہے الا ماشاء اللہ۔ اول تو مال میں لگ کے اعمال سے غافل، کوئی کہے جی کہ میں اعمال سے غافل نہیں ہوتا تو جی نفلی عبادات سے غافل، کام اتنے ہیں فرصت ہی نہیں ملتی۔ کوئی کہے جی: میں نفلی اعمال بھی سارے کرتا ہوں، تو مال کا ایک وبال تو ہے ناں، مرنے کو دل نہیں چاہتا، سہولت ہے، آسانی ہے، جی چاہتا ہے کہ لمبی زندگی ہو۔ یہ جو موت اچھی نہیں لگتی یہی تو فتنہ ہے۔ دنیا سے جانے کو دل ہی نہیں کرتا۔ اس فتنے میں تو ہر بندہ مبتلا ہے۔

تو تکلیفوں کے امتحان میں آزمائش آسان ہے، اور وسعت کے حالات میں آزمائش یہ انسان کے لیے مشکل کام ہے۔ کہ پیٹ بھرا ہوتا ہے ناں تو آواز میں پیسے کی جھنکار شامل ہو جاتی ہے۔ جب قلم کے اندر اختیار ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ مجھے نہیں جانتا کہ ''میں کون ہوں''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے:

''کہ جس شخص پر اللہ نے دنیا کو وسیع کر دیا یعنی وسعت ہی وسعت دے دی

اور وہ اس کو آزمائش نہ سمجھے تو اس کی عقل نے دھوکہ کھالیا"

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

ایک ہوتا ہے عمومی دستور: تو ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کہ عمومی دستور یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ جنت میں بھیجنے کا ارادہ کرتے ہیں اس کے اوپر شدائد کو بھیجتے ہیں، مکارہ کو بھیجتے ہیں، مشکلات کو بھیجتے ہیں، جو صبر کرے گا میں اس کے درجے بڑھاؤں گا، میں اس کو اپنے قریب کرلوں گا، میں اس کو جنت میں ٹھکانے دوں گا۔ اور جس بندے کو اللہ تعالیٰ پھنسانے کا ارادہ کر لیتے ہیں اس پر وسعت رزق کے دروازے کھول دیتے ہیں"

﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ﴾

مثال چوہے کو پکڑنا ہوتا ہے تو کیسے پیالے میں کھانا سجا کر رکھتے ہیں، ٹوکری کے اندر، کڑکی کے اندر، وہ جو کھانا اس کے لیے رکھا ہے یہ اس کے پھنسانے کا طریقہ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی کھول دیتے ہیں۔ دنیا کے حالات ہر طرف سے خوشیاں، آسانیاں، رزق کی فراخی، واہ واہ، تعریفیں، بندہ سمجھتا ہے کہ

من آنم کہ من دانم

اور فرماتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ جس بندے کو جنت بھیجتے ہیں تو اس کے اوپر شدائد کے حالات بھیجتے ہیں۔ جس کو جہنم بھیجنے کا ارادہ کرتے ہیں اس کے اوپر خواہشات اور شہوات کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ آج کل کے نوجوان کہتے ہیں جی کہ پتہ نہیں کیا میرے اوپر تو لڑکیاں مرتی ہیں۔ ایسی بات نہیں ہے یہ آزمائش کا دروازہ کھلا ہے تیرے اوپر۔ تو جب چاہتا ہے گناہ کرنا آسان ہے۔ اس کا مطلب ہے تیری منزل کسی اور طرف ہے۔ تجھے گھسیٹا جا رہا ہے

کسی اور طرف۔

مال و دولت کا دھوکہ:

یہ غلط فہمی آج آ گئی کہ انسان مال و دولت کے زیادہ ہونے کو یوں سمجھتا ہے کہ اللہ مجھ سے بڑے راضی ہیں اور تنگی کے حالات کو سمجھتا ہے کہ اللہ ناراض ہو گئے۔ یہ انتہائی غلط فہمی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کا راضی یا ناراضگی کا دارومدار ظاہری حالات کی تنگی اور ترشی تو نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کی نشانی جو شریعت کے مطابق زندگی گزار رہا ہے اس سے اللہ راضی ہیں بھلے کس حال میں ہے۔ جو شریعت کے خلاف زندگی گزار رہا ہے اللہ اس سے ناراض ہیں ظاہر کے جو بھی حالات ہیں۔ دعائیں قبول ہونا کوئی قرب کی نشانی تو نہیں ہیں۔ اللہ نے شیطان کی بھی دعا قبول کی تھی۔ قرآن گواہی دے رہا ہے۔ مال و دولت تو فرعون کو بھی ملا تھا، قارون کو بھی ملا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ کی ذات راضی ہونے یا ناراض ہونے کا معیار اور ہے۔ اگر شریعت کے مطابق زندگی تو وہ راضی اگر خلاف زندگی تو وہ ناراض۔

شدائد بھی نعمت:

اسی لیے یہ شدائد یہ بھی نعمتیں ہیں توجہ سے بات سنیے:

یہ جو سختی آتی ہے، مشکلات آتی ہیں، پریشانیاں آتی ہیں، یہ بھی اللہ کی نعمتیں ہیں۔ اس کے بھیجنے میں کیا حکمت ہے؟ کہ انسان کا دل دنیا سے کٹے، دنیا کی بے ثباتی اس کے ذہن میں بیٹھ جائے، لوگوں نے بے وفائی کی اللہ یاد آیا، تنگی کے حالات آئے، ”بلا لو مدینے والے“ اب مرکز یاد آیا۔ تو یہ تنگی، تکلفیں، پریشانیاں آتی ہی اسی لیے ہیں کہ بندے کو رب کے دروازے کے ذرا قریب کرے اور تنگی میں پتہ چلتا ہے کہ کون تھا جو محبت کے دعوے کرنے والے ہوتے ہیں سب بھاگ جاتے ہیں۔ سب دور ہو جاتے ہیں کوئی مشکل میں ساتھ نہیں دیتا۔ تو پتہ چلتا ہے کہ اپنا کون تھا۔ تو یہ تکالیف، پریشانیاں آتی ہیں

بندے کے اندر تبتل کی صفت پیدا کرنے کے لیے کہ مخلوق سے دل کٹے، اللہ سے دل جڑے۔ اسی لیے جتنے بڑے ایمان والے لوگ تھے اتنی بڑی آزمائشیں پہلی امتوں پر آئیں:

﴿مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا﴾

اتنا ان کو جھنجھوڑا کہ

﴿حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ﴾

اور صحابہ کرام کا یہ عالم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَزُلۡزِلُوۡا زِلۡزَالًا شَدِيۡدًا﴾

صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ نے اتنا زیادہ جھنجھوڑا، آزمایا، تو ایمان کے بقدر بندے کے اوپر یہ شدائد آتے ہیں اس کے درجات کو بڑھانے کے لیے۔

مصیبت میں گرفتار معصیت میں نہیں:

ایک بزرگ تھے تو کسی مشکل میں گرفتار ہو گئے۔ تو دوسرے بندے نے تسلی کا خط لکھا جی، بڑی پریشانی ہوئی کہ آپ مصیبت میں گرفتار ہیں۔ انہوں نے جواب دیا:

''الحمدللہ! مصیبت میں گرفتار ہوں، کسی معصیت میں گرفتار نہیں ہوں''

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے بیٹے کو نصیحت:

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی:

''اے بیٹے! مصیبت تجھے ہلاک کرنے کے لیے نہیں آتی بلکہ تیرے ایمان اور تیرے صبر کا امتحان لینے آتی ہے کہ تیرا امتحان کتنا پکا ہے اور اللہ رب العزت کے ان احوال پر تو صبر کتنا کرتا ہے''

کھرے کھوٹے کی پہچان:

کھرے کھوٹے کی پہچان ہم پانچ روپے کا گھڑا لیتے ہیں، برتن لیتے ہیں، پیالہ لیتے ہیں تو ٹھوک بجا کر دیکھتے ہیں کہ کچا ہے یا پکا اللہ تعالیٰ نے بھی مومن کو اپنی رضا، اپنی جنتیں عطا کرنی ہیں تو وہ بھی آزماتے ہیں کچا ہے یا پکا۔ اس لیے فرمایا

﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ﴾

ہم نے ان سے پہلے والوں کو بھی آزمایا

﴿فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ﴾

تاکید کی انتہا۔ ہم تمہیں آزما کر رہیں گے کھرے کھوٹے کو پہچان کر رہیں گے۔

﴿وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ، وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ﴾

شک کرنے والوں کو خوشخبری دے دو۔

بقول شاعر:

سَبَکْنَاہُ وَنَحْسَبُہٗ لُجَیْنًا

کہ ہم نے اس چیز کو ذرا دیکھا، پرکھا تو ہم سمجھے کہ یہ چاندی ہے لیکن جب اس کو ہم نے بھٹی میں ڈالا تو بھٹی نے لوہے اور اس کی میل کو الگ کر دیا۔ پتہ چلا چاندی چڑھی ہوئی تھی اندر سے لوہا تھا۔

فَاَبْدَی الْکُرُوْعَنْ خُبْثِ الْحَدِیْدِ

ایمان میں کچا یا پکا:

آج کل تو Artificial چیزیں بڑی آ گئی ہیں اندر سے تانبا اوپر سے سونا۔ سنار کے پاس لے جاؤ کسوٹی پر اس کو فوراً بتادے گا کہ یہ سونا نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ رب العزت بھی بندے کو آزماتے ہیں مختلف حالات میں۔ یہ اپنے ایمان میں پکا ہے یا اپنے ایمان میں کچا۔ نکتے کی بات یہ ہے کہ اگر مصائب نہ ہوتے تو انسان اترانے والا اور سرکشی کرنے والا بن جاتا۔

''پاک ہے وہ ذات جو نعمتوں کے ذریعے آزماتی ہے اور مصیبتوں کے ذریعے اپنے بندوں پر رحم فرماتی ہے''

بات ذرا توجہ سے سنیئے گا

قَدْ یُنْعِمُ اللّٰهُ بِالْبَلْویٰ وَاِنْ عَظُمَتْ
وَیَبْتَلِی اللّٰهُ بَعْضَ الْقَوْمِ بِالنِّعَمِ

اللہ بعض بندوں پر نعمتیں بھیجتا ہے بلا اور مصیبت کی شکل میں اور بہت سارے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نعمتیں دے کر آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔

بزرگ کا خوب صورت قول:

ہمارے ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے:

''پاک ہے وہ ذات جو مصیبتوں کی رسیوں میں الجھا کر اپنے بندوں کو اپنی بارگاہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں''

بچے ہوتے ہیں ناں یہ ڈور کے ذریعے پتنگ کو کھینچتے ہیں اپنی طرف، شکاری ڈور کے ذریعے مچھلی کو اپنی طرف کھینچتے ہیں، تو جو بندہ بگڑتا ہے ناں، ذرا ادھر ادھر بھاگتا ہے اللہ کے در سے دور، اللہ بھی کاروبار کو ذرا Tight کر دیتے ہیں، حالات کو، صحت کو، پریشانی

کو، وہ ایک رسی ڈالتے ہیں اس کے گرد۔ وہ رسی میں جکڑتا ہے تو یا اللہ، یا اللہ پھر اللہ کا در یاد آجاتا ہے۔ اتنا کریم ہے وہ پروردگار جو اپنے بندوں کو ان حالات کی رسیوں میں لپیٹ کر اپنے در کی طرف کھینچ رہا ہوتا ہے۔

سکھ ڈکھاں تو دیواں وار
دکھاں آن ملایم یار

﴿فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ﴾

میرے بندے کہاں جاتے ہو تم میرے در کو چھوڑ کر۔

ابوالوفاء ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

چنانچہ ابوالوفا ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

"کہ اللہ رب العزت کی تقدیر پر راضی رہنا سب سے بڑی عبادت ہے"

اللہ تعالیٰ خوشی کے حالات بھیجے تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے وہ آزمائش کے حالات بھیجے تو بھی اللہ کا احسان ہے یہ جو ہم سوچتے ہیں ناں بڑی مصیبت آگئی کیا مصیبت آگئی؟ یاد رکھیں:

"اگر ہم اپنی کھالیں کھنچوا کے اور بوٹیاں نوچوا کے بھی اللہ کو راضی کر جائیں تو سستا سودا ہے"

تو ہم ویسے ذرا سا ادھر ہوں تو بڑی پریشانی آگئی تو اس دنیا میں اس کے لیے منتظر رہنا چاہیے کہ کچھ نہ کچھ حال آنا ہے ہمارے اوپر تو بہتر انسان وہ کہ جو ہر حال میں اللہ سے راضی ہو۔

رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا بِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا

مشائخ کی پر تاثیر نصیحتیں:

اس لیے ہمارے مشائخ نے فرمایا:

اپنے غم کی نگرانی کرو اور اپنے نفس کی اصلاح میں مشغول ہو جاؤ۔ لوگوں کے عیبوں کو نہ ٹٹولتے پھرو۔ اپنی فکر کرو۔ اسی لیے نیک اور متقی لوگ نعمتیں ملنے پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں، پریشانیوں کے آنے پر صبر کرتے ہیں۔ اللہ کی مدد مانگتے ہیں۔

متقی کی پہچان:

اَلتَّقِیُّ مُلْجَمٌ

متقی بندہ ایسے ہوتا ہے جیسے اسے لگام ڈالی ہوئی ہوتی ہے۔

لَایَتَکَلَّمُ بِکُلِّ مَایُرِیْدُ

ہر بات اس کے زبان پہ نہیں نکلتی۔ صبر کرتا ہے اور آج ہمارا تو یہ حال ہے کہ بس ٹرٹر کرتے رہتے ہیں۔ ہر وقت بے تکا بولتے ہیں۔ احساس بھی نہیں ہوتا کہ غیبت کی، جھوٹ بولا، یا کیا کیا؟ ایک دل کو خوش کرنے کے لیے پتہ نہیں کتنے دلوں کو ہم دکھاتے پھرتے ہیں۔

ایاس بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ کی معارف سے بھرپور نصیحت:

بصرہ کے قاضی تھے ایاس بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے سامنے کسی شخص نے غیبت کی کسی کی تو وہ کہنے لگے کہ تم نے روم کا غزوہ کیا ہے؟ نہیں، ہند کا غزوہ کیا؟ نہیں۔ سندھ کا غزوہ کیا؟ نہیں کہنے لگے تو پھر وہاں کے کافر تو تجھ سے سلامت رہیں اور تیرا اپنا کلمہ گو بھائی تجھ سے سلامت نہ رہ سکا۔

تو ان تمام حالات کا لب لباب یہ ہوتا ہے کہ انسان قلبی طور پر مخلوق سے کٹے اور اللہ سے جڑے۔ امیدوں کی منتہا انسان کے لیے اللہ کی ذات ہے۔ سب امیدیں اسی سے وابستہ، سب کام اسی کی طرف۔

اناك رجوع الى الله

اسی اللہ کی طرف رجوع

کھلے دروازے کو چھوڑ کے بند دروازے کی طرف کیسے جاؤں؟

ایک بزرگ تھے تو ان کے پاس ایک آدمی آیا۔ حضرت فلاں افسر آپ کا ذرا واقف ہے تو میرا کام ہے سفارش کر دو۔ انہوں نے کہا: بھئی سنو! آؤ میرے ساتھ بارہ رکعت پڑھ کے دعا مانگو۔ میں کھلے دروازے کو چھوڑ کے بند دروازے کی طرف کیسے جاؤں۔ تو پروردگار اونگتا بھی نہیں، سوتا بھی نہیں کہ ایسا نہ ہو مانگنے والے مانگیں اور دینے والا اونگ رہا ہو۔

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ

تو فرمایا

کہ میں کھلے دروازے کو چھوڑ کے بند دروازے کی طرف کیسے جاؤں۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا تحریر کردہ ایمان افروز واقعہ:

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اک واقعہ لکھا ہے:

ایک غریب محتاج آدمی تھا وہ کسی امیر آدمی کے پاس گیا۔ اپنی حاجت پیش کرنے کے لیے دیکھا کہ وہ سجدے میں دعا مانگ رہا ہے۔ تو وہ کہنے لگا کہ اگر یہ بھی محتاج ہے میری طرح تو میں اس سے مانگوں گا جو سب کی ضرورتیں پوری کرنے والا ہے۔ یہ کہہ کر واپس آ گیا مگر اس کی یہ بات اس سجدے میں پڑے امیر نے سن لی تو سجدے سے اٹھا تو اس نے دس ہزار درہم دینار اس کی طرف بھجوائے اور ساتھ پیغام بھیجا کہ جس ذات سے میں سجدے میں مانگ رہا تھا اسی نے میرے ذریعے تجھ کو یہ تحفہ بھجوایا ہے۔ قبول کر لیجیے۔

محاسبہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ:

حَاسِبُوْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا

''اپنا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے''

اپنا وزن کرلو اس سے پہلے کہ تمہارے اعمال کا وزن کیا جائے۔

وَتَزَیَّنُوْ بِالْاَرْضِ الْاَکْبَرِ

اور قیامت کے دن بڑی پیشی کے لیے تیار ہو جاؤ۔

یَوْمَ لَاتَخْفٰی مِنْکُمْ خَافِیَةٌ

جس دن کوئی چھپنے والا تم میں سے کوئی چھپ نہیں سکے گا۔ آج تو ہم نفس کی باتیں مانتے پھرتے ہیں ناں اس کا پتہ چلے گا قیامت کے دن اس کی مثال یوں سمجھیں:

کہ بعض لوگ چکی میں گندم پسواتے ہیں ناں تو گندم کو عورتیں بڑا صاف کرتی ہیں۔ نہ مٹی، نہ کنکر، نہ کوئی اور چیز تو جب روٹی پک کے آتی ہے تو مزے سے روٹی کھاتے ہیں، Enjoy کرتے ہیں۔ اور بعض لوگ گندم پسواتے ہیں مگر اس میں ریت اور کنکر بھی ساتھ تو پتہ چلتا ہے جب روٹی سامنے آتی ہے، منہ میں لقمہ ڈالتے ہیں تو کرکر ہوتی ہے اوہ جی اس میں تو ریت ہے۔ جس طرح روٹی کھانے پر آٹے کی کیفیت کا پتہ چلا۔ قیامت کے دن ہمیں اپنے نفس کی اطاعت کا اس دن پتہ چلے گا۔ اوہو نامہ اعمال میں تو یہ سارے کے سارے نیکیوں کی جگہ گناہ ہی لکھے ہوئے ہیں۔

گہری بات:

''فسق و فجور'' اس کی ایک سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ انسان کو یہ کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ بات بہت گہری ہے، سمجھنے والی ہے کہ گناہ اور فسق و فجور اس کا ایک بڑا وبال، کہ یہ انسان کو کفر تک پہنچا دیتے ہیں اب آپ حیران ہوں گے کہ یہ کیسے؟

ذرا سنیے:

کہ فسق و فجور کرتے کرتے بندہ اس کو جائز سمجھنے لگ جاتا ہے اور حرام کو جائز سمجھنا یہ کفر ہے۔ اس کی مثال:

فسق و فجور کی نحوست:

ایک دفتر میں ہم گئے تو وہ کہنے لگے فلاں تو بڑا ہی ایمان دار ہے بڑا ہی ایمان دار ہے۔ ایک بندے نے بھی تعریف کی، دوسرے بندے نے بھی تعریف کی تو ہم بڑے حیران ہوئے۔ بڑا خوش نصیب انسان ہے کہ سارے دفتر کے لوگ تعریفیں کرتے ہیں جی بڑا ایمان دار ہے۔ تو ہم نے کسی سے پوچھا بھئی کوئی ہمیں بھی بات بتاؤ اس نے کہا: جی جتنے رشوت کے پیسے دفتر میں اکھٹے ہوتے ہیں یہ سب کو برابر تقسیم کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ فسق و فجور انسان کو بالآخر کفر کی حد تک پہنچا دیتے ہیں۔ وہ حرام کو جائز سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔

مشتبہ چیزوں کا وبال:

ہمارے اکابر حرام سے بچنے کے لیے مشتبہ چیزوں کو بھی چھوڑ دیتے تھے۔ جیسے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ
وَبَیْنَھُمَا مُشْتَبِھَاتٌ

Reason یہ بتائی

وَقَعَ فِی الشُّبُھَاتِ وَقَعَ فِی الْحَرَامِ

جو مشتبہ کاموں میں پڑ گیا وہ حرام میں یقیناً پڑ کر رہے گا

پہلے وقت میں مردوں کا تقویٰ تو تھا ہی سہی عورتیں اتنی متقیہ ہوتی تھیں سیدہ بدیعہ دسویں ہجری میں ایک نیک عورت گزری ہیں مکہ مکرمہ میں ان کو کسی نے کہا۔ جی بجیلہ ایک

مقام تھا جہاں کے حرث بن عبداللہ بجلی رحمۃ اللہ علیہ تھے کہ وہاں کے لوگ بیٹیوں کو وراثت نہیں دیتے اور وہیں سے گوشت بھی آتا تھا پھل بھی آتے تھے جب سے انہوں نے یہ سنا انہوں نے وہاں سے آنے والے گوشت اور پھلوں کو کھانا چھوڑ دیا۔

کمال احتیاط:

ابوعقدہ رحمۃ اللہ علیہ کے والد مسجد سے باہر نکلے تو جیب میں کچھ دینار تھے وہ نہ ملے۔ ضرورت بڑی تھی۔ کہنے لگے کہ شاید مسجد میں گر گئے ہوں۔ مسجد کے اندر گئے اور ایک جگہ دینار پڑے بھی دیکھے مگر اس وجہ سے نہ اٹھائے کہ ممکن ہے میرے بجائے کسی اور کے گرے ہوں اتنا سا شبہ ہونے پہ بھی چھوڑ دیتے تھے۔ یہ تقوی اور یہ نعمت انسان کو ملتی ہے شیخ کی صحبت میں آنے کے بعد۔ فرق اتنا ہے کہ متقدمین وہ شیخ تعلیم کے اوپر انحصار کر لیتے تھے۔ جس سے حدیث پڑھتے تھے، فقہ سیکھتے تھے، وہی ان کی تربیت بھی کرتا تھا۔ نفوس اتنے اچھے تھے کہ ان اساتذہ کی صحبت میں ان صفات کو اخذ کر لیتے تھے۔ آج نفوس اتنے امارہ ہو چکے ہیں کہ باقاعدہ تربیت روک ٹوک کی ضرورت ہے۔ اس لیے شیخ کی تربیت کا ہونا آج کے دور میں ضروری ہے۔

انسان گناہ سے کیسے بچے:

اب دیکھیں ایک سوال کہ انسان گناہ سے کیسے بچے؟ تو مشائخ سمجھائیں گے کہ گناہوں سے بچنے کا آسان طریقہ وقوف قلبی۔ وقوف قلبی کے کیا معنی کہ ہر وقت دل کی توجہ اللہ کی طرف رکھو۔

خطرہ:

جب کوئی غیر خیال دل میں ہی نہیں آئے گا تو انسان گناہ کیسے کرے گا؟ سب سے

پہلے انسان کے ذہن میں گناہ کا خیال۔ یہ گناہ کا خیال جو ہے اس کو خطرہ کہتے ہیں۔ مشائخ کی Terminology میں تصوف کی Terminology میں اس کو کہتے ہیں خطرہ گناہ کا خیال دل میں آیا پھر اس کے بعد اگر وہ خیال جم گیا تو وہ انسان پر شہوت غالب آ گئی

عمل:

اور عمل اگر شہوت اس پر غالب رہی تو عمل کیے بغیر وہ نہیں رہ سکتا۔ جب گناہ کا عمل ایک دفعہ کرے گا تو شیطان ایک وکٹ گرا چکا ہوگا۔

عادت:

تو پھر دوسری کہے گا پھر کرو، پھر کرو پھر کرو۔ بس آخری دفعہ بس ایک مرتبہ اور یہ چیز انسان کی عادت بن جاتی ہے اور عادت کو چھوڑنا پھر انسان کے لیے بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

گناہ کا تصور:

بعض بزرگوں نے اسی کو پھر سمجھایا:

کہ سب سے پہلے دماغ میں گناہ کا خیال خطرہ آتا ہے پھر انسان تصور جماتا ہے،

ارادہ:

تصور جمانے کے بعد ارادہ کرتا ہے، ارادہ کے بعد پھر اس فعل کا مرتکب ہوتا ہے اور یہ چیز اس کی عادت بن جاتی ہے اور عادت کا چھڑانا مشکل کام ہے۔

فکر:

بعض نے کہا کہ انسان کے ذہن میں پہلے خطرہ آتا ہے پھر وہ ان وسوسوں کو یاد کرتا ہے، بیٹھ کے Imagination,fantacy میں نے فلاں گناہ کیا تھا، ایسے، فلاں کتنی خوبصورت فلاں سین ایسا، فلاں منظر ایسا، تو یہ تذکرہ سوچنا، یہ انسان کے اندر گناہ کا ارادہ پیدا کرتا ہے، پھر ارادہ شہوت کو طاری کر دیتا ہے اور شہوت فعل پر اور فعل پھر عادت بن جاتا ہے۔

شریعت کی خوبصورت بات:

اسی لیے شریعت نے خوبصورت بات کہی کہ تم غیر محرم سے نگاہ ہی ہٹاؤ:

''نہ رہے بانس، نہ بجے بانسری''

تم نگاہ ہی نہ ڈالو۔ شاعر نے کہا:

فلما اتنی رات ثم اقلبت

تهازلنی والهزل داعیة العهر

کہ اس نے میری طرف دیکھا اور پھر بار بار دیکھتی رہی پھر اس کے بعد اس نے مجھ سے باتیں شروع کیں تو باتیں اتنی نرم اور ملائم تھیں کہ اس نے مجھے گناہ میں پھنسا لیا''

وسوسہ عادت یا عبادت:

ایک نکتے کی بات ہے:

ہر آنے والا وسوسہ یا عادت بنے گا یا عبادت بنے گا۔ اگر تو اس وسوسے کو آتے ہی ذہن سے نکال دیا تو وہ عبادت ہے اور اگر اس وسوسے کو ذہن میں جما لیا اور انسان نے

اس کے تقاضے پر عمل کیا تو یہ گناہ ،اور یہ اس کی عادت بن گئی۔اب یہ ہمارے اوپر منحصر ہے ہم آنے والے وسوسے کو عادت بناتے ہیں یا عبادت بناتے ہیں۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

اِرْضَ بِمَاقَسَمَ اللّٰہُ لَکَ تَکُنْ مِنْ اَغْنَی النَّاسِ

''کہ جو اللہ نے تمہارے لیے مقدر کا تقسیم کر دیا تم اس پر راضی ہو جاؤ تم سب سے غنی انسان بن جاؤ گے''

وَاجْتَنِبْ مَاحَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْکَ تَکُنْ مِنْ اَوْرَعِ النَّاسِ

''اور گناہوں سے بچو تو تم سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار انسان بن جاؤ گے''

وَاَدِّمَا افْتَرَضَ اللّٰہُ عَلَیْکَ تَکُنْ مِنْ اَعْبُدِالنَّاسِ

''اور جو اللہ نے فرض کیا اس کو تم پورا کر لو تم سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے''

مشائخ کا معمول:

ہمارے مشائخ سونے سے پہلے اپنے نفوس کا محاسبہ کرتے تھے۔محاسبہ کر کے دیکھتے تھے کہ آج ہم پر کیا حالات آئے اور ہم نے اس کا کیا جواب لکھا۔پھر استغفار بھی کرتے تھے،توبہ بھی کرتے تھے۔نیک اعمال پر اللہ کا شکر بھی ادا کرتے تھے۔اور بعض حضرات تو ایسے تھے کہ ذہن میں اگر وسوسے آتے تھے تو وہ بھی لکھتے تھے کہ آج میرے ذہن میں اس اس گناہ کا وسوسہ آیا اور پھر ایسا حل نکالتے تھے کہ آئندہ وسوسہ ہی ذہن میں نہ آئے۔

جتنی بڑی قربانی اتنی مہربانی:

اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں کہ میرے بندے تنہائی میں مجھے پکاریں میری طرف رجوع

کریں اور میں اس بندے کو گناہوں سے محفوظ کروں۔ اس لیے تہجد کا وقت راز و نیاز کا ہوتا ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ گناہ چھوڑنے میں جتنی مشقت ہوتی ہے ناں اتنا ہی بڑا انعام اللہ کی طرف سے ملتا ہے کیونکہ گناہ چھوڑنا مشکل تھا ناں۔ جتنا مشکل ہوتا ہے گناہ کا چھوڑنا اس گناہ کے چھوڑنے پر انعام بھی اتنا بڑا املا کرتا ہے۔

گناہ کے وسوسہ کو رد کرنے کا طریقہ:

تو اس کی ابتدا یہ ہے کہ گناہ کا خیال ذہن میں آنے اور جمنے ہی نہ دیں۔ اگر آنے لگے تو دفعہ کریں، سوچ کو اللہ کی طرف لے جائیں۔ گناہ کے وسوسے کو رد کرنے کا بہترین طریقہ کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تصور کر لے اور یہ سوچے کہ اس گناہ کی وجہ سے میں اللہ کی نظر میں گر جاؤں گا اور ان نعمتوں سے محروم ہو جاؤں گا۔ جب یہ تصور کرے گا ناں تو گناہ کا ذہن میں خیال ہی نہیں آنے دے گا۔ اللہ تعالیٰ جب بندے سے ناراض ہوتے ہیں تو اس کو تگنی کا ناچ نچوا دیتے ہیں پھر بیٹھے بٹھائے ذلیل کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی عظمت کو سامنے رکھ کر ناراضگی سے ڈرے پھر گناہ کا خیال ہی نہیں۔

قرآن وحدیث کی تعلیمات:

اسی لیے دیکھیں قرآن مجید، حدیث مبارکہ ایک ہی مضمون بتا رہے ہیں۔

اللہ کے مقبول بندے عورت خود گناہ کا مطالبہ کرتی ہے۔

قَالَتْ هَيْتَ لَكَ

فوراً کہا:

قَالَ مَعَاذَاللّٰه

میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں

فوراً اور حدیث پاک سے بھی یہی ثابت کہ ایسی لڑکی

لَاتَحْسَبَنْ وَجَمَالَ

عورت جو وہ حسن بھی ہے، جمال بھی ہے، اور وہ گناہ کی طرف بھاگتی ہے اور آدمی آگے سے کیا کہتا ہے:

اِنِّی اَخَافَ اللّٰہ

''میں اللہ سے ڈرتا ہوں''

نفس کو سنانے والی آیت مبارکہ:

یہ قرآن مجید کی آیت ہے، یہ ہر بندے کو یاد کر لینی چاہیے اور اکثر اس کو گنگنانا چاہیے پڑھنا چاہیے، سوچنا چاہیے، ہے چھوٹی مختصر سی

اِنِّی اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ

مجھے خوف ہے میں ڈرتا ہوں اگر میں ربّ کی نافرمانی کروں گا تو پھر اس بڑے دن کے وقت مجھے عذاب دیا جائے گا''

اپنے نفس کو یہ آیت سنایا کریں۔ جب شہوت سوار ہو، جب گناہ کا دل چاہ رہا ہو۔ اس آیت کو چند دفعہ پڑھیں۔ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ شیطان مردود کو بھگا دیتے ہیں۔ نفس کو صبر عطا فرما دیتے ہیں۔

قول حضرت علی رضی اللہ عنہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

لاتخف الاذنبك

''کسی سے نہ ڈرو مگر اپنے گناہوں سے''

وَلَا تَرْجِ اِلَّارَبَّكَ

''اور کسی سے امید نہ رکھ مگر اپنے پروردگار سے''

کیا خوبصورت بات کہی نہ ڈرو مگر اپنے گناہوں سے اور کسی سے امید نہ رکھو مگر اپنے پروردگار سے۔

نفس کی خواہشات کو اللہ کے لیے قربان کریں:

ایک آخری بات:

ہم اگر نفس کی خواہشات کو اللہ کے لیے قربان کریں گے تو اللہ اس کے بدلے ہمیں ایمان کی حلاوت عطا فرمائیں گے اور اس کی دلیل حدیث پاک میں آتا ہے:

”کہ جو بندہ غیر محرم سے اپنی نگاہ کو بچاتا ہے اللہ اس کو عبادت کے اندر لذت عطا فرما دیتے ہیں“

تو دیکھو نفع تو ان کو ملا کہ میرے بندے تو نے اگر اس لذت کو میری خاطر چھوڑ دیا تو میں اس کے بدلے تمہیں بہتر لذت عطا کرتا ہوں، ایمان کی حلاوت ملتی ہے، ایمان کی لذت ملتی ہے۔

ابن عطا سکندری رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

ابن عطا سکندری رحمۃ اللہ علیہ ان کی حکم بہت معروف ہیں۔ بہت سی حکمت کی باتیں کرتے تھے ایک ان کی بات سنیے فرماتے ہیں

جَلَّ رَبُّنَا اَنْ يُّعَامِلَهُ الْعَبْدُ نَقْدًا فَيُجَازِيَهِ

”ہمارا پروردگار اس سے برتر ہے کہ بندہ عمل کے ذریعے نقد کا معاملہ کرے اور وہ اس کا اجر قیامت کے ادھار پر ٹال دے۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بندہ تو نقد نیک عمل کر رہا ہو اور اللہ تعالیٰ کہے اچھا بھئی ادھار ہوا۔ قیامت کے دن ادھار دوں گا۔ نہیں نہیں ایسی بات نہیں ہے اللہ نقد بھی اجر دیتے ہیں اور بقیہ اجر قیامت کے دن بھی عطا فرمائیں گے تو جو نیکی کا کام کرتے ہوئے اپنے نفس پر

ہم جبر کرتے ہیں اللہ فوراً اس کا اجر عطا فرما دیتے ہیں اسی دنیا میں۔

شریعت پر استقامت کا صلہ:

ایک واقعہ سنا کر بات کو مکمل کرتا ہوں یہ واقعہ امیر شجاع متولی قاہرہ نقل فرمایا:

کہتے ہیں کہ ہم ایک شخص کو ملے اس کا رنگ گندمی تھا مگر جب اس کے بچوں کو دیکھا تو وہ اتنے گورے، سفید، خوبصورت کہ ہم حیران۔ ہم سے رہا نہ گیا ہم نے پوچھا کہ بھئی یہ معاملہ کیا ہے۔ تیرا رنگ گندمی تھا اور تیرے بچے اتنے گورے چٹے اور خوبصورت۔ اس نے کہا بس یہ ایک لمبا واقعہ ہے جو مجھے پیش آیا۔ ہم نے کہا کہ ہمیں سناؤ ہم تو نہیں ٹلیں گے۔ کہنے لگا کہ ہوا یوں کہ میں ایک کاشت کار آدمی تھا۔ فصل کاشت کی اور جب فصل کٹی تو میں اس کو لے کر بیچنے کے لیے شام چلا گیا۔ کچھ فصل کا حصہ میں نے لوگوں کو ادھار پہ دے دیا چھ مہینے پر اور ایک دوکان میں نے خرید لی کہ آدھا حصہ میں نے اس میں رکھ لیا کہ میں تھوڑا تھوڑا کر کے بیچوں گا اور چھ مہینے کے بعد پیسے لے کر میں وطن واپس چلا جاؤں گا۔ دوکان پر بیٹھا ہوا تھا تو میری فصل جو تھی وہ گھوڑوں کی خوراک بنتی تھی جیسے چنے ہوتے ہیں۔ تو ایک نصرانیہ لڑکی تھی کافرہ، انگریز، فرنگی لڑکی، وہ ایک بوڑھی خادمہ کے ساتھ اس گھوڑے کی خوراک خریدنے میرے پاس آئی۔ وہ اتنی خوبصورت کہ میں اس کو دیکھ کے سوچتا رہا کہ پتہ نہیں یہ اتنی خوبصورت ہے تو حوریں کیسی ہونگی؟ نتیجہ کیا ہوا کہ جب پیسے دینے کا وقت آیا تو میں نے اسے بہت کم قیمت پر سودا دے دیا وہ دو چار دن بعد پھر آئی اور میں نے سستا سودا دیا۔ وہ پہچان گئی کہ اس مرد کی نیت میں کچھ ہے۔ جب تیسری، چوتھی دفعہ سامان لینے آئی۔ تو میں نے اظہار کر دیا کہ میرے دل میں تمہاری محبت ہے۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس نے کہا سنو! تین بندے قتل ہوں گے؟ اگر میرے خاوند کو پتہ چل گیا۔ ایک میں، ایک یہ بوڑھی عورت، ایک تو، تینوں قتل ہو جائیں گے؟ میں نے

اس کو جواب دیا کہ اگرچہ قتل ہو جاؤں گا؟ تیرے ساتھ مل کے قتل ہوں گا ناں؟ اب یہ لفاظی کام کر گئی عورت مسکرائی کہ یہ ایسا پاگل ہے۔ چنانچہ میں نے اسے مسکراتے دیکھا تو میں نے اسے گناہ کی پیش کش کر دی۔ اس نے کہا کہ پچاس دینار۔ وہ بڑی بھاری قیمت ہوتی تھی وہ ادا کرو تو ہم آپ کے پاس آ جائیں گے۔

کہنے لگا کہ میں نے ایک سمندر کے کنارے گھر لیا ہوا تھا کرائے پر میں نے اسے کہا کہ وہ پچاس دینار لو اور وہاں آ جانا۔ اور اس بوڑھی عورت کے ساتھ وہ وہاں پہنچ گئی۔ میں نے چھت کے اوپر بستر لگوا دیا اب وہ نصرانیہ عورت، جوان العمر میرے پاس ہے اور مجھ پر گناہ کا خبت سوار ہے۔ ہم نے کھایا پیا، بیٹھے خوش گپیاں لگائیں۔ اچانک میری نظر آسمان پر پڑی تو کہتا ہے کہ جب میں نے آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھا تو بے اختیار میری زبان سے یہ نکلا:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا

اللہ تو نے یہ بے فائدہ پیدا نہیں کیا

تو اللہ تعالیٰ کی عظمت میرے اوپر غالب آ گئی، کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ میں یہ کافرہ عورت کے ساتھ گناہ کے لیے تیار ہوں۔ کہتے ہیں کہ میں نے نیت کر لی کہ میں نے گناہ نہیں کرنا، صبح ہو گئی وہ عورت مجھ سے غصہ بھی ہوئی بڑا ہی کیوں تھا اگر تو نے کچھ نہیں کرنا تھا۔ میں نے اس کی ناراضگی کو برداشت کر لیا اور جانے دیا۔

ایک دو دن بعد وہ دوبارہ پھر وہ سودا لینے آئی کہنے لگا کہ اب جب دن کی روشنی میں میں نے اس کے چہرے پر نظر ڈالی تو چمکتا ہوا چاند تھی۔ پھر میرے نفس نے کہا کہ تو کہاں کا بایزید رحمۃ اللہ علیہ آ گیا، تو کہاں کا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ آ گیا۔ اگر یہ تیار ہے گناہ کے لیے تو تو کر لے۔ توبہ کر لینا، میرے نفس نے مجھے پھر بہکایا حتیٰ کہ میں نے اسے پھر کہا کہ

اچھا دوبارہ آنا اس نے کہا نہیں اب سو دینار۔ میں نے سو دینار دے دیے۔

جب دوسری مرتبہ وہ آئی تو میرا وہی حال کہ مجھے یہ احساس ہوا کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ میں پھر گناہ سے بچ گیا۔ اب کے وہ تو اتنی خفا ہوئی کہ اس نے مجھے برا بھلا نہیں کہا جب تیسری مرتبہ وہ آئی تو کہنے لگا کہ میں اس کو دیکھ کر اتنا پھسل گیا کہ کہا اب جو مرضی ہو میں نے گناہ کرنا ہے۔ اس نے کہا میں نہیں آؤں گی۔ پانچ سو دینار لوں گی۔ یہ بہت بھاری قیمت تھی۔

میں نے پانچ سو دینار بھی دے دیے۔ ابھی دیے ہی تھے اعلان ہوا کہ یہ ملک تو ہے کفار کا نصاریٰ کا اور ہم نے مسلمانوں کے ساتھ ایک صلح کا معاہدہ کیا ہوا تھا اس معاہدے کی مدت ختم ہوئی۔ لہٰذا جتنے مسلمان اس شہر میں ہیں ان کو ایک ہفتے کی مہلت دی جاتی ہے وہ کاروبار سمیٹ کر اپنے ملک واپس چلے جائیں۔ کہنے لگے اعلان ہونے کے بعد حالات ہی بدل گئے میں نے جن لوگوں سے قرضہ لینا تھا وہ لیا۔ اور چونکہ یہ فصل ہمارے ملک میں ہی ہوتی تھی وہاں نہیں ہوتی تھی تو اس کی قیمت بھی بڑھ گئی۔ مجھے مال میں بہت نفع ہوا۔ چنانچہ وہاں سے نکلا۔

تو کچھ دنوں کے بعد مسلمان بادشاہ الملک الناصر اس نے ان پر حملہ کیا آخر میں جنگ ہوئی اور مسلمان غالب رہے تو اس دوران مجھے خیال آیا کیوں نہ میں یہاں سے ایک دو باندیاں ہی لے لوں۔ مجھے ان سے بھی نفع ہوگا۔ میں نے ایک باندی لے لی۔ اللہ کی شان کہ وہ جا رہی تھی اور سلطان کا کوئی ایک نمائندہ تھا اس کو وہ پسند آگئی۔ اس نے سلطان کے لیے لینی تھی۔ اس نے کہا مجھے باندی چاہیے میں نے کہا سو دینار اس نے کہا جی میرے پاس تو نوے دینار ہیں دس ادھار کر لو میں نے کہا کوئی بات نہیں۔ اس نے نوے ہزار پر وہ باندی مجھ سے لی اور جا کر اپنی طرف سے شاہ کو پیش کی۔ شاہ بہت خوش ہوا اس

نے تفصیل سنائی میں نوے دینار دے آیا ہوں دس دینار ادھار۔ اس نے کہا وہ بڑا اچھا بندہ ہے جس نے تجھ سے ادھار کرلیا۔ اس کے بدلے ہمارے پاس بہت سی عورتیں دشمن کی گرفتار ہیں اس بندے کو کہو جو چاہیے ان میں سے وہ پسند کرلے دس دینار پر۔ کہتے ہیں میں دیکھنے گیا۔ مجھے وہی نصرانیہ عورت وہاں گرفتار عورتوں میں بیٹھی نظر آئی۔ میری اس پر نظر پڑی۔ میں نے کہا مجھے یہ چاہیے۔ انہوں نے میرے حوالے کردی۔ عورت مجھے دیکھتی ہے میں اس عورت کو دیکھتا ہوں۔ میں نے کہا دیکھو پانچ سو دینار تجھے دیے تھے اور تو آتی نہیں تھی اور میں بھی گناہ سے ڈرتا تھا۔ اب میرے اللہ نے دس دینار کے بدلے میں تجھے تیرا مالک بنا دیا۔ مگر پھر بھی میرے دل میں اک ڈر تھا کہ میرے نفس کی خواہش اس میں شامل ہے۔ وہ کہنے لگی اچھا اگر تم اللہ کے ڈر کی وجہ سے گناہ سے رکے تھے تو میں بھی کلمہ پڑھتی ہوں اور مسلمان ہوتی ہوں کہ وہ اللہ اتنا عظیم ہے کہ تم جیسا نوجوان انسان اور میری جیسی خوبصورت عورت اور پھر گناہ سے بچے۔ اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگئی۔ کہنے لگا: میں اس کو قاضی شہر کے پاس لایا کہ یہ عورت ہے یہ مسلمان ہوگئی اب ہم کیا کریں۔ اس نے اس عورت سے پوچھا کہ تم اس سے نکاح کرنا چاہتی ہو۔ اس نے کہا ہاں چنانچہ قاضی نے مجھے اس سے نکاح میں منسلک کر دیا اب وہ میری بیوی تھی۔ میں اسے گھر لے گیا اور میاں بیوی کی طرح ہم نے زندگی گزارنا شروع کر دی۔ ابتدائی دنوں میں اس کو امید بھی لگ گئی۔ حاملہ بھی ہوگئی۔

چند مہینوں کے بعد اعلان ہوا کہ بادشاہوں کے درمیان پھر معاہدہ ہوگیا اور جتنی قیدی عورتیں ہیں ان سب کو واپس کیا جائے کہنے لگا میرے دل پہ اک غم طاری ہوگیا کہ اب یہ واپس چلی جائے گی۔ میں گھر گیا اس نے مجھے مغموم پریشان دیکھا کہنے لگی کیا ہوا میں نے کہا یہ یہ معاملہ ہے۔ اب تم واپس چلی جاؤ گی۔ وہ کہنے لگی نہیں مجھے پتہ ہے کہ میں

نے کیا کہنا ہے تم مجھے بادشاہ کے قاصد کے پاس لے جاؤ۔ کہنے لگے کہ ایک مسلمانوں کا نمائندہ ایک کافروں کا نمائندہ۔ ان کے سامنے پیش کیا گیا مسلمانوں کے نمائندے نے کہا بھئی اگر تم واپس جانا چاہتی ہو تو ہماری طرف سے جانے کی اجازت ہے۔ جو کافروں کا نمائندہ تھا اس کو اس نے کہا میں واپس نہیں جاتی۔ اس نے پوچھا کیوں؟ میں نے کہا اس لیے کہ اب میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو چکی ہوں۔ مسلمان عورت اب کسی نصرانی کے نکاح میں نہیں رہ سکتی اور پھر میں امید سے بھی ہوں۔ لہٰذا اب میرے خاوند کے سوا کسی اور کا میرے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔ تو وہ جو کافروں کا نمائندہ تھا اس نے کہا تیری والدہ نے مجھے کہا تھا اس کو میرے پاس لے آنا اور اگر وہ نہ آئے تو یہ اس کا بکسہ ہے یہ اس کو میری طرف سے امانت پہنچا دینا۔ ہم اس بکسے کو لے کر گھر آ گئے۔ جب کھولا تو اس بکسے کے اندر اس عورت کے وہی خوبصورت کپڑے تھے جن کو پہن کر وہ میرے پاس آتی تھی اور تین تھیلیاں پڑی تھیں۔ ان کو کھولا تو ایک میں پچاس دینار تھے جو میں نے اس کو دیے تھے دوسری میں سو دینار تھے اور تیسری میں پانچ سو دینار تھے۔ میں نے اللہ کی رضا کے لیے پیسوں کو بھی چھوڑا گناہ کو بھی چھوڑا میرا اللہ کتنا بڑا ہے اس نے پیسے بھی لوٹا دیے اس عورت کو ان خوبصورت کپڑوں میں مجھے واپس لوٹا دیا۔

تم نے میرے لیے گناہ چھوڑا تھا ناں میں یہ سب نوٹ تمہیں واپس دے دیتا ہوں۔ وہ نصرانیہ انگریز عورت میری بیوی ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ خوبصورت اولاد اور بیٹے عطا کیے۔

گناہوں کے چھوڑنے پر انعامات:

تو جو شخص اللہ کی رضا کے لیے گناہ کو چھوڑتا ہے اللہ اس کو بے سہارا نہیں چھوڑتے۔ ترستا نہیں چھوڑتے وہ پروردگار اس سے برتر ہے کہ بندہ عبادت کے ذریعے نقد کا معاملہ

کرے اور اللہ اس کے اجر کو قیامت تک ادھار پر چھوڑ دے وہ آخرت میں بھی عطا کرے گا وہ دنیا میں بھی عطا کرتا ہے۔ چنانچہ جو انسان گناہوں کو چھوڑے، نیکی پر جمے، اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اس کو لذتیں عطا فرما دیتے ہیں ایمان کی اور عبادت کی۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ہر حال میں شریعت کے مطابق زندگی گزاریں جو غلطیاں، کوتاہیاں ہوئی ہیں ہم اللہ رب العزت سے ان کی معافی مانگیں اور آئندہ ایک پاکیزہ زندگی گزارنے کا دل میں ارادہ کریں۔

سن فریاد میرے سوہنیاں اللہ
تے میں ہور سناواں کینوں
تیرے جیا مینوں ہور ناں کوئی
تے میرے جیا لکھ تینوں
تے پھول نہ کاغذ بدیاں والے
تے در توں دِھک ناں مینوں
جے اے گناہ ناں ہوندے شاہا
تے تو بخشیں دوں کینوں

اے کریم آقا ہم گناہ تو کر بیٹھے اگر گناہ نہ ہوتے تو کس کو آپ بخشتے لہٰذا ہم آپ کے در پر یہ فریاد کرتے ہیں کہ اللہ جو گناہ کر چکے معاف کر دیجیے آئندہ اپنے فضل اور اپنی رحمت سے اللہ ہمیں گناہوں کی ذلت سے بچا لیجیے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○